اسلامی علوم وتحقیقات اور دارالعلوم شیخ الہند کا ترجمان ماہنامہ

النخیل کراچی

مدیر

ابن الحسن عباسی

النخیل کراچی

مدیر

ابن الحسن عباسی

معاون مدیر

محمد بشارت نواز

جامعہ تراث الاسلام، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

alnakhil786@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدائے تخیل	ماہنامہ التخیل کا آغازِ اشاعت	مدیر کے قلم سے	۳
کتب نما	قلم نما....................	ابن الحسن عباسی	۵
کتابیں ہیں چمن اپنا	فتاویٰ عالمگیری...............	مفتی محمد ساجد میمن	۸
شخصیات	مولانا سمیع الحق	ابن الحسن عباسی	۱۹
اقتصاد و معیشت	وقف کے ارتقاء پر ایک نظر.......	مفتی اویس نعیم	۲۳
	ڈائری لکھنے کے فائدے........	مولانا محمد بشارت نواز......	۲۸
گلہائے رنگ رنگ	محبتوں کے نادر نمونے..........	مولانا محمد فہیم گورکھپوری......	۳۲
آلام و حوادث	چچا جی....................	محترم سعود عثمانی........	۳۷
ماہ و سال	ماہ شعبان-فضائل واحکام.........	مفتی عبدالکریم گمتھلوی...	۴۰
جامعہ کی سرگرمیاں	شعبہ تخصص فی الافتاء۔تعارف وخدمات...	دفتر تعلیمات........	۴۳
اردو ادب	اردو زبان میں دخیل الفاظ........	ڈاکٹر سہیل بخاری.......	۵۳
اوراد و وظائف	دعائے حضرت انس	مولانا اختر شاہ.........	۵۹
طب و صحت	عجوہ کھجور.................	جاوید چوہدری.........	۶۱
جامعہ کی سرگرمیاں	شب و روز................	مولانا فضل الرحمٰن.........	۶۳

صدائے نخیل

ماہنامہ النخیل کا آغازِ اشاعت

مدیر کے قلم سے

مجلّات اور رسائل نکالنے کا شوق ایک عرصہ سے رہا، وفاق المدارس العربیہ کا ترجمان رسالہ پہلے سہ ماہی اور بعد میں ماہانہ نکالا گیا، شروع سے تقریباً سولہ سال تک اس کی ادارت میرے پاس رہی، اس پورے عرصہ میں اس کا کوئی مضمون کبھی ادارتی انتشار کا باعث نہیں بنا، جب وفاق المدارس کی تاریخ کا کام بابائے مدارس مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ نے میرے حوالے کیا تو اس کی ادارت سے استعفیٰ دیا......کوئی پندرہ سال قبل خواتین کے لیے ماہنامہ حیا کے نام سے ایک ڈائجسٹ نما رسالہ نکالا، اس میں اسلامی مضامین، کہانیاں، ناول اور مستقل سلسلے شائع ہوتے ہیں اور پاکستان میں خواتین کے لیے اس سے بہتر ماہنامہ اب تک نہیں آیا، دوسو چوبیس صفحات پر مشتمل یہ ماہنامہ گذشتہ پندرہ سال سے الحمدللہ مسلسل شائع ہو رہا ہے......

چھ سات سال قبل ''النخیل'' کے نام سے تحقیقی، ادبی اور علمی مضامین کی اشاعت کے لیے ایک ماہنامہ کا ڈکلریشن لیا تھا، لیکن وقت گذرتا رہا، اس کا آغاز نہیں ہوسکا، ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، آج وہ وقت آپہنچا اور اس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

تعلیم کی طرح ہمارا اردو ادب کا اثاثہ بھی قدیم و جدید میں تقسیم ہو چکا ہے، عصری تعلیم گاہوں اور میڈیا سے وابستہ اہل قلم کی ایک الگ دنیا ہے، اسلامی درس گاہوں سے وابستہ اہل قلم سے ان کی پہچان تک نہیں، اِدھر بھی یہی حالت ہے، دونوں کے درمیان یہ خلیج بہت بڑھ گئی ہے، حد ہے اور بے حد ہے کہ جناب سلیم اختر صاحب مرحوم اپنے سالناموں میں اردو ادب کی مطبوعات کا جائزہ لیتے رہے، کسی عالم کی تحریر کو کبھی اس میں جگہ نہیں دی، اردو سفر ناموں میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے ''جہاں دیدہ'' کو کون نظر انداز کر سکتا ہے، ان کی نظر سے یہ سفرنامہ بھی اوجھل رہا......اس خلیج کو کم کرنے کی ضرورت ہے، النخیل اسی راہ پر

گامزن رہے گا، وہ دونوں حلقوں کے قلم پارے سامنے لائے گا، ہماری بات دونوں حلقوں کے اکابر سے چل رہی ہے، مشہور مورخ و محقق محترم جناب پروفیسر خورشید رضوی صاحب، ماہر اقبالیات جناب ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب (ناظم مجلس ترقی ادب لاہور) مشہور افسانہ نگار جناب اسد محمد خان صاحب نے ادارت و مشاورت میں شرکت قبول فرمالی ہے اور بہت جلد دیگر حضرات کے نام بھی سامنے آجائیں گے!

پاکستان کے اہل قلم کے ساتھ، ہندوستان کے اہل علم کے مضامین بھی ان شاء اللہ چھپتے رہیں گے۔ آج کی دنیا کے نیٹ نے فاصلے سمیٹ لیے اور برقی لہروں نے اہل علم کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا، جغرافیائی سرحدیں اپنی جگہ رہتی ہیں اور رہیں گی لیکن علم و نظریہ کو عام کرنے میں زمانے کی اس ایجاد نے کمال دکھایا، النخیل بھی اس سے اپنے حصہ کا کمال سمیٹے گا اور اسے عام کرنے کے لیے کوشاں رہے گا، ان شاء اللہ!

اس وقت میرے ساتھ نوجوان اہل قلم کی ٹیم میں محمد ساجد میمن صاحب (مدیر ماہنامہ حیا)، محمد بشارت نواز صاحب (معاون ایڈمن مکتبہ جبریل، معاون مدیر النخیل)، مفتی اویس نعیم صاحب (پاک قطر تکافل)، جنید خان صاحب، عدنان کریمی صاحب، عبد اللہ ساقی صاحب، اختر علی صاحب، حبیب حسین صاحب اور یرید احمد نعمانی صاحب شامل ہیں، یہ جدید و قدیم علوم کے حامل ابھرتے ہوئے اہل قلم ہیں۔

النخیل ان شاء اللہ ہر ماہ کے پہلے ہفتے چھپے گا، چھپنے کے ساتھ ہی اس کا برقی ایڈیشن بھی نیٹ پر نشر کر دیا جائے گا اور اس کی پی ڈی ایف فائل عام کردی جائے گی، اُمید ہے کہ اس کا پیغام لاکھوں لوگوں تک پہنچے گا۔

النخیل ایک خالص علمی، تحقیقی اور ادبی مجلہ ہے، اسے علم و تحقیق اور زبان و ادب ہی کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا اور جانچا جائے، علم و تحقیق اور زبان وادب کی نہ کوئی حد ہے، نہ سرحد ہے! ہمیں اُمید ہے النخیل کو ڈیجیٹل دور میں علم رسانی کا ایک خوش گوار اضافہ سمجھا جائے گا...... اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ابن الحسن عباسی

۱۸ رجب ۱۴۴۰ھ

☆......☆......☆

قلم نما

[**قلم نما** مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی نئی تحریروں اور مضامین کا جدید مجموعہ ہے، اس زیرِ طبع کتاب کے چند تراشے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔]

عمر فانی کا ایک اور سال گھٹ گیا

(نئے سال 2019 کی آمد پر ایک دلگداز تاثر)

فانی زندگی کا ایک اور یخ بستہ دسمبر گزر گیا، سلسلہ روز وشب کا ایک اور برس بیت گیا، زندگی کی چالیس سے زیادہ بہاریں دیکھنے والا مسافر مڑ کر نظر دوڑاتا ہے تو بچپن کی شرارتوں، لڑکپن کی شوخیوں اور جوانی کی شادمانیوں اور ناکامیوں کی ایک فلم ذہن ودماغ میں چلنے لگتی ہے جس میں وہ سب کچھ گردش کر رہا ہوتا ہے جو انسان کی بے ثبات زندگی کا ازل سے حصہ ہے:

کہیں اجڑی اجڑی سی منزلیں، کہیں ٹوٹے پھوٹے سے بام ودر...... کہیں سرد موسموں کی ٹھنڈی ہوائیں، کہیں زرد پتوں کے اداس شجر...... کہیں رکتے قافلے ہم سفر...... کہیں چلتے مسافر خاک بسر...... کوئی پہاڑوں میں، کوئی بیابانوں میں، کوئی شہروں میں نہ جانے کون دیارِ زیست میں کہاں کہاں بچھڑ گیا...... کہیں خوشیوں کی رونقیں، کہیں غموں کی مجلسیں...... کبھی حسرتوں کے ہجوم کے ساتھ، کبھی آرزوں کے نجوم کے ساتھ، کبھی تمناؤں کے خون کے ساتھ...... کبھی وصالِ یار کا زیر وبم، کبھی ہجر وفراق کا نالہ غم: اے وائے دلم، وائے دلم، وائے دلم...... کبھی صبح زندگی، کبھی شام زندگی، کبھی تپتی ساعتوں والی آلام زندگی، بس پلک جھپکنے میں تمام زندگی: عبرت نشان زندگی......!!

اس چند روزہ حیات مستعار کا سب سے حسین تحفہ، حسن خاتمہ ہے، جس کے لیے زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نکلی ہوئی یہ دعا کتنی خوبصورت دعا ہے، اسے اپنی معمول کی دعاؤں میں شامل کر لینا چاہیے:

اللهمّ أحسِنْ عَاقِبَتَنَافِي الأُمُورِ كُلِّهَا، وَأَجِرْ نَامِنْ خِزْيِ الدُّنْيَاوَعَذَابِ الآخِرَةِ

اے اللہ! تمام امور میں ہماری عاقبت کو سنوار دیں اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما دیں۔

امت کا غم یوں بھی ہوتا ہے

یہ غالباً 2003 کی بات ہے، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ چند دنوں سے کچھ فکرمند نظر آ رہے تھے، ایک دن ظہر کے بعد ڈرائیور سے کہا،"گاڑی نکالیں، ہمیں کہیں جانا ہے" گاڑی میں بیٹھ کر کراچی کے پسماندہ علاقے کی کچی آبادی میں داخل ہوئے، گلیوں میں گاڑی گھومتی گھومتی ایک مسجد کے پاس کھڑی ہوئی، حضرت اندر گئے، مسجد خالی تھی، لوگ نماز پڑھ کر جا چکے تھے، امام صاحب اتفاق سے مسجد ہی میں بیٹھے تھے، یہ ایک جوان صوفی قسم کے عالم دین تھے، شیخ کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گئے، مسجد بھی سرِ راہ نہیں ہے کہ گزرتے لوگ نماز پڑھنے آتے ہوں، کچی آبادی کی مختصر رقبے کی مسجد میں وفاق المدارس کے صدر، ہزاروں علماء کے استاذ، اسی سالہ حضرت شیخ کو اس طرح تنہا دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے، حیرانگی کے عالم میں پوچھا......:"حضرت! آپ......؟" شیخ نے انہیں ہاتھ سے پکڑا، اگلی صف میں چل کر آمنے سامنے بیٹھ گئے، فرمانے لگے:

> "شاید آپ کے علم میں ہو، ایک عرصے سے رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں کچھ انتشار پیدا ہوا ہے، چند لوگوں نے جماعت کے سابقہ طرز کو چھوڑ کر مشقوں اور مذاکروں کی ایک نئی ترتیب شروع کی ہے اور امیر جماعت حاجی عبدالوہاب صاحب کا اعتماد بھی انہوں نے حاصل کرلیا ہے، اس کی وجہ سے جماعت کے اندر ایک انتشار کی کیفیت ہے، اسے ختم کرنے کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں، ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں کہ اللہ تعالی ان کوششوں کو بارآور بنائے اور یہ اختلاف ختم ہو......آپ کے پاس ہمارے آنے کا مقصد صرف یہ ہے......"

امام صاحب نے آپ کی گفتگو سنی تو جواب میں صرف اتنا ہی کہہ سکے:"حضرت ضرور......" وہ رسم خاطر تواضع کی ہمت کر ہی رہے تھے کہ شیخ نے ہاتھ بڑھایا، مصافحہ کیا اور جامعہ واپس آگئے......یہ ایک مسکین جوان عالم دین تھے، حضرت شیخ کے شاگرد بھی نہیں تھے، لیکن حضرت کو ان کے تقویٰ کا کسی طرح علم ہو گیا تھا، اس موقع پر نہ جانے ایسے کتنے گمنام درویش صفت لوگوں کے پاس دعاؤں کے لیے شیخ گئے، امت کا درد، جانے کہاں کہاں انہیں گھماتا رہا کہ شاید دل کی امنگ مل ہی جائے گی کہیں نہ کہیں......اکابر و مشائخ کی اس قسم کی فکرمندی اور کوششوں کی برکت سے کچھ عرصے بعد وہ اختلاف ختم ہوا اور جماعت کا کام الحمدللہ اپنی اصل ترتیب پر قائم رہا۔ یہ ہے اللہ والوں کی زندگی کا ایک انداز خسروانہ......!

اس ٹوٹے ہوئے دل کے خریدار بہت ہیں

جب ہم دارالعلوم کراچی میں پڑھتے تھے، اس وقت ساتھیوں نے ایک انجمن بنائی تھی......انجمن تدریب البیان...... یہ انجمن شب جمعہ، بعد نماز عشاء منعقد ہوتی رہی، جس میں طلبہ تقریر، حمد ونعت اور نظم وغیرہ پڑھنے کی مشق کرتے، باہمی مقابلوں کے پروگرام ہوتے، اور افتتاحی اور اختتامی نشستیں بھی ہوتیں جن میں کسی بڑے استاد کو عموماً مدعو کیا جاتا اور کوشش ہوتی کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تشریف لائے، حضرت سے وقت لینے کے لئے ساتھی جاتے تو مشورہ ہوتا کہ شیخ سے صرف دس منٹ کا کہنا ہے تب آسانی سے آمادہ ہوں گے......اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے'' حضرت بس دس منٹ کے لئے آپ آجائیں......ہم طلبہ کی التجا دیکھ کر حضرت منظور فرما لیتے...... پھر جیسے ہی آپ محفل میں پہنچتے، ہمارے ایک ساتھی تھے مولوی درویش، انھوں نے بڑا سریلا گلا پایا تھا، وہ زکی کیفی مرحوم کی غزل ترنم سے پڑھنا شروع کر دیتے......

الفت ہی نہیں اور بھی آزار بہت ہیں......
اس ٹوٹے ہوئے دل کے خریدار بہت ہیں......

مولانا تقی عثمانی صاحب کو اپنے بھائی زکی کیفی سے بہت محبت اور ان کے کلام سے بڑا لگاؤ ہے اور ہم اسی کا فائدہ اٹھاتے، حضرت یہ کلام سنتے تو وارفتگی کے ایک کیف میں چلے جاتے......پھر دو چار تقریریں ہوتیں حمد ونعت کا سماں بندھتا، حضرت کا بیان ہوتا، بیان کے بعد چائے کا مختصر دورانیہ ہوتا اور جاتے ہوئے حضرت شکایتی انداز کے اپنے مخصوص دل ربا لہجے میں فرماتے......''بھائی! تم دس منٹ کے لئے بلاتے ہو اور ڈیڑھ دو گھنٹے لے لیتے ہو......'' اور ساتھیوں میں فاتحانہ مسکراہٹ پھیل جاتی......سوشل میڈیا کی طرف چند منٹ کے لئے انسان آتا ہے، یہاں چارسو ایک دلکشستان بکھرا پڑا ہے، کئی کونوں سے درویش کی مترنم صدائیں گونج رہی ہوتی ہیں......پھر وہ چند منٹ طنابیں کھینچتے چلے جاتے ہیں......علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں......

کتابیں ہیں چمن اپنا

فتاویٰ عالمگیری

مفتی محمد ساجد میمن
ناظم تعلیمات: جامعہ تراث الاسلام

[''**کتابیں ہیں چمن اپنا**'' اس عنوان کے تحت ہر ماہ اسلامی علوم کے بنیادی مصادر و مراجع میں سے کسی ایک اہم کتاب کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ ادارہ]

اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی دور ہی میں مقدمات اور متنازعہ فیہ معاملات و مسائل کو شریعت اسلامی کی روشنی میں تصفیہ کرنے کے لئے فقہ اسلامی پر ایک جامع اور مستند کتاب تدوین کرائی جو ہندوستان میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے جبکہ عالم عرب میں ''فتاویٰ ہندیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا کام تخت نشینی کے چار سال بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعہ ۱۰۷۳ھ بمطابق ۱۶۶۳ء میں شروع ہوا اور آٹھ سال میں یعنی ۱۰۸۱ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ کتاب ہدایہ کے بعد فقہائے حنفیہ کے نزدیک مستند، معتبر اور جامع کتاب ہے جو نہایت ہی احتیاط اور سائنٹفک طریقہ پر ترتیب دی گئی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب کسی وقتی مصلحت یا محض ایک شخص کی خواہش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کا اصل محرک مسلمانوں کا یہ شدید احساس تھا کہ ان کے اجتماعی معاملات کا فیصلہ کتاب و سنت کے مطابق ہو اور اسلامی قانون ملک میں جاری و ساری ہو۔ ایسی کتاب کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی جو انفرادی فتاویٰ کے اختلافات کو دور کر دے اور قانون کی بنیادی کتاب کی حیثیت سے پوری مملکت میں استعمال کی جا سکے، لیکن محض سیاسی وجوہات کی بناء پر اس قسم کی کتاب کی ترتیب کے مواقع نہیں مل سکے تھے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور اور اس سے پہلے کے دور کے سیاسی پس منظر کو بھی سامنے رکھیں، اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ سیاسی حیثیت سے وہ کون سے تغیرات پیدا ہو گئے تھے، جو ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر فقہ کی کتاب کے ترتیب دینے کا باعث بنے، جو اپنے دور ہی میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جانے سے قبل تک مسلمانوں کے معاملات کی اور پوری اسلامی مملکت ہند کی عدلیہ کی بنیادی کتاب تھی اور آج بھی اس کی روشنی میں علماء و مفتیان کرام مسائل کا حل بیان کرتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کی ضرورت کا احساس اور اقدام:...... عالمگیر کی اصلاحات سے حکومت کے ڈھانچہ میں اسلامی تصورات کو بہت کچھ عمل دخل ہو چکا تھا، لیکن حکومت کا سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ اس کے عدلیہ کے قوانین ہوتے ہیں کیونکہ یہ روزمرہ کی زندگی اور معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں اور بہت ہی دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں، عالمگیر کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی رعایا کو شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرے، اس لئے کہ اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایسے حالات اور مواقع پیدا کیے جائیں جہاں عامۃ المسلمین آسانی کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل کر سکیں، چنانچہ عالمگیر کو ابتدا ہی سے اس بات کی فکر لاحق تھی کہ وہ ایسے اصلاحات اور اقدامات کرے جس سے روزمرہ کی زندگی کما حقہ اسلامی احکام وقوانین کی گرفت میں آ جائے اور روزمرہ کے باہمی معاملات واختلافات فقہ اسلامی کے مطابق حل کیے جائیں۔ عالمگیر کو اس کام کی فکر ابتدا ہی سے تھی۔ وہ اپنے طالب علمی کے دور میں بھی فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ فقہ کی تدوین کی ضرورت کو جس شدت سے محسوس کیا ہے اس کے متعلق ایم بی احمد نے اپنی کتاب The administration of Justice in Mediveal Indis میں تحریر کیا ہے:

> ''یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر اپنے تخت پر متمکن ہونے سے قبل ہی یہ خواہش رکھتا تھا کہ اس کی سرکردگی میں اسلامی فقہ پر کوئی قابل اعتبار کتاب ترتیب دی جائے۔ چنانچہ نہایت ہی قابل ذکر کارنامہ ہے کہ زمامِ حکومت سنبھالنے کے صرف پانچ ہی سال بعد اور تخت نشینی کے چار سال بعد خصوصی کام جو شہنشاہِ ہند نے انجام دیا ہے وہ امپیریل فرمان کے ذریعہ فتاویٰ کی ترتیب کے لیے احکام تھے، ابتدائی انتظامات کے بعد علما کی تقرری کا کام شروع ہوا اور یہ کام ۱۰۷۳ھ میں شروع ہوا اور آٹھ سال بعد ۱۰۸۱ھ میں ختم ہوا''۔(بحوالہ: ماہنامہ چراغِ راہ، اسلامی قانون نمبر، جون ۱۹۵۸ء، ص: ۴۰۳)

عالمگیر سے قبل فقہ کا کوئی ایسا جامع، مستند مجموعہ موجود نہیں تھا جس میں تمام فقہائے اسلام کے فیصلے اور آراء محفوظ ہوں، جو کچھ بھی تھا وہ منتشر تھا، اس لئے عام افراد کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سے آسانی سے استفادہ کر سکیں اور اب عالمگیر کے سامنے بھی کئی مشکلات آ رہی تھیں، روزمرہ کے مسائل، باہمی اختلافات کے معاملات اور متنازعہ فیہ مسائل پر جب قاضیوں کو فیصلہ دینے پڑتے تو انہیں بہت ہی محنت وجانفشانی کرنی پڑتی، اس کے باوجود بھی انہیں یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ انہوں نے فقہاء کے تمام اہم فیصلوں کو دیکھ لیا ہے، اس لئے کہ فقہ کا تمام کا تمام ذخیرہ منتشر تھا اور اس کے بعد بھی امکان ہوتا تھا کہ کچھ اہم فیصلے پھر بھی نظر انداز ہو گئے ہوں جو ممکن ہے کہ فیصلہ کو متاثر کر سکتے تھے، یہ عملی دشواری ومشکل پہلے بھی موجود تھی، لیکن اب جب کہ ایک خاص اسلامی فضا اور ماحول، معاملات کو طے کرنے کے

لیے پیدا ہو رہا تھا تو قاضیوں کو یہ احساس ہمیشہ خوفزدہ رکھنے لگا کہ ان کے فیصلے اگر غلط یا غیر محتاط ہوئے تو ان کو اس کا جواب دینا ہوگا اور اس کا سارا گناہ ان کے سر پڑے گا۔ اس خدا ترسی کے جذبہ نے فقہ کی تدوین کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرایا کہ فقہ کا کوئی مستند، جامع اور سائنٹفک مجموعہ ہونا چاہیے جو قاضیوں کو مقدمات کے فیصلہ کرنے میں ممد و معاون ہو۔ اس لئے عالمگیر نے یہ فیصلہ کیا کہ مناسب طریقہ سے اسلامی فقہ کی تدوین کرنے کے لئے ہندوستان کے علماء اور فقہا کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو فقہ کی ایک جامع کتاب مرتب کرے تاکہ مسلمانوں کی زندگی کے مسائل فقہ اسلامی کی روشنی میں مناسب طریقہ سے طے کئے جائیں۔

بادشاہ نے ہندوستان کے مشاہیر علماء کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ تمام فقہ کی کتابوں سے مفتی بہا مسائل کا انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کریں اور اس گروہِ علما کا صدر شیخ نظام کو مقرر کیا۔ جن کو علماء کی ایک جماعت بلانے کا کام بھی سپرد ہوا اور جن کی متفقہ رائے ہی سے تمام فیصلوں کو کتاب میں شامل کیا جا سکتا تھا، اہل علم اور فقہ کی جو نامور شخصیات اس وقت دارالخلافہ میں موجود تھیں ان کو یہ کام سپرد کیا گیا اور ایک فرمان کے ذریعہ ان تمام اہل علم کو جو علمی شہرت رکھتے تھے اور علم فقہ میں عبور رکھتے تھے، ملک سے منتخب کر کے بلایا گیا اور اس بورڈ کا شریک کار کیا گیا۔ سرکاری خزانہ سے ان کا ایک معقول وظیفہ مقرر کیا گیا، تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں۔ ان کے لیے امپیریل کتب خانہ کی تمام کتابیں مہیا کی گئیں اور جو کتابیں درکار ہوتیں، اس کو مہیا کرنے کا انتظام کیا جاتا، ہر سال سرکاری خزانہ سے ان کے اخراجات کے لیے ایک کثیر رقم عطا کی جاتی، اس طرح سرسری اندازہ کے مطابق اس کام پر دو لاکھ روپے (اُس زمانے کے اعتبار سے) صرف ہوا، اور آٹھ سال کی مدت میں یہ کتاب تیار ہوئی۔

فتاویٰ کی ترتیب وتدوین:......فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفی کی ایک عظیم اور بلند پایہ تصنیف ہے، اس میں مستند ترین فقہاء کے فیصلے، ان کی آراء، مختلف دقیق مسائل کی شرح، تنقیدیں، مذہبی قوانین، قواعد وضوابط اور ایسے رسم و رواج جو معاملات زندگی پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں، ان کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے، مسلمانوں کے شخصی قوانین جن کا تعلق وراثت، وصیت، طلاق وغیرہ کے معاملات سے ہے وہ تمام قواعد وضوابط تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح فتاویٰ کا دائرہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

ترتیب دینے کا طریق کار:......فتاویٰ کو ترتیب دینے کے متعلق فتاویٰ کو دیکھ کر جو کچھ اندازہ ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کو ترتیب دینے میں نہایت ہی احتیاط اور سائنٹفک طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہ تمام ذرائع جو ممکن ہو سکتے تھے ان کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی، کتاب کو مرتب کرنے کے لیے مختلف مضامین ومباحث کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر حصہ کے لیے علماء کی ایک مستقل الگ جماعت تھی، جو دس بارہ افراد پر مشتمل ہوتی اور اس کا ایک صدر ہوتا جس کی زیر نگرانی یہ جماعت کام کرتی تھی، اور ان تمام جماعتوں کے صدر شیخ نظام برہانپوری

تھے، جو پورے کام کے نگران یا انچارج تھے اور وہ براہ راست فتاویٰ کی تیاری کے سلسلے میں جو مسائل و معاملات پیدا ہوتے ان کی جواب دہی عالمگیر کے سامنے کرتے۔

عالمگیر کی فتاویٰ کی تدوین سے دلچسپی:......فتاویٰ کی تصنیف میں عالمگیر نے خود بے پناہ دلچسپی لی ہے اور عملی طور پر اس کام کی تیاری میں غیر معمولی شغف اور انہماک دکھایا ہے۔ اس نے ایک طرف تو بورڈ کے علماء اور فقہاء ایسے حضرات مقرر کیے جو اپنے دور کے ممتاز اور معتمد اور مستند عالم تھے، ان کو وظائف اور ''مدد معاش'' کے طور پر قطعات اراضی دے کر روزمرہ کی ضروریات سے بے نیاز کیا، مادی سہولتوں کے بہم پہنچانے کے علاوہ فقہ کی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا تاکہ اس سے استفادہ کر سکیں، اس کے علاوہ دیگر ممکن سہولتیں فراہم کیں، ان سب باتوں سے بڑھ کر وہ خود روزانہ ایک مقررہ وقت پر شیخ نظام برہانپوری کو، جو فتاویٰ مرتب کرنے والے علماء کے بورڈ کے صدر تھے، بلا کر نہایت ہی انہماک اور تنقیدی نظر سے تین یا چار صفحات یومیہ مطالعہ کیا کرتا تھا اور شیخ نظام کو ان کی بھول چوک اور غلطیوں پر فوراً متوجہ کیا کرتا تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ:

> ''والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مفوضہ حصے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر میری نظر پڑی جس میں صورت مسئلہ کو گڈمڈ کر کے گنجلک بنا دیا گیا تھا، میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں، مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے، مؤلف عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے، چنانچہ اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے، میں نے اس مقام پر ایک نوٹ دیا جس میں لکھا: ''من لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ، ھذا اغلط، وصوابہ کذا'' یعنی ''جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے یہاں گڑبڑ کر دی ہے، یہ عبارت غلط ہے اور صحیح یوں ہے''......ان دنوں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد سے زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظام روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو انہوں نے عجلت میں حاشیہ کے نوٹ اور اصل متن کو ملا دیا جس سے تمام کا تمام مطلب خلط ملط ہو کر رہ گیا۔ عالمگیر نے فوراً مداخلت کی اور ملا نظام سے اس کا مطلب دریافت کیا، ملا نظام دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے چوں کہ پہلے سے مطالعہ نہیں کر رکھا تھا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہیں اپنی غلطی اور کوتاہی پر معافی مانگنی پڑی۔''

یہ ایک واقعہ اس بات پر مشاہد ہے کہ بادشاہ کا خود اس کام میں بہت بڑا ہاتھ تھا، علماء اور فقہاء کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ بادشاہ خود چونکہ اس کا پروف (PROOF) دیکھتا ہے اس لیے وہ بہت ہی محنت اور تندہی سے کام کو انجام دیتے

اور کسی قسم کی غفلت یا لاپرواہی نہ کرتے تھے اور یہی سب سے بڑی خصوصیت فتاویٰ عالمگیر کی ہے کہ انسان کے دائرہ اختیار میں جہاں تک غلطیوں اور کوتاہیوں پر قابو پانے کی کوشش کی جاسکتی ہے وہ اس کی ترتیب کے سلسلے کی گئی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے کہ

> ''اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیر نے فتاویٰ مراتب کرایا تو علماء رات کے وقت ،بعد نمازِ تہجد جو مسائل روزانہ لکھا کرتے تھے ،سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہوکر تحریر ہوتا تھا۔''(انوار انوری:ص ۸۶)

فتاویٰ کی ماخذ کتابیں:......فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں فقہ اسلامی پر جو کتابیں اس وقت تک تحریری شکل میں موجود تھیں، وہ سب جمع کی گئی تھیں،لیکن ان کتابوں کی تعداد کا صحیح اندازہ تو ممکن نہیں،اس لئے کہ بہت ہی کثیر تعداد میں تھیں، ان کے علاوہ قلمی مسودات اور مفتیوں کے فتاویٰ بھی تھے،جن سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔غرض یہ کہ فقہ اسلامی اور اصول فقہ پر جو کتابیں بھی اس وقت موجود تھیں ان سے ضرور استفادہ کیا گیا،تاکہ فقہ پر اس وقت تک جو کچھ علمی کام ہو چکا ہے وہ نظر انداز نہ ہوسکے۔

کتاب کا انداز:......عام کتب فقہ کے طرز پر کتاب الطہارۃ تا کتاب الفرائض کے مسائل پر مشتمل ہے۔سب سے پہلے''کتاب'' کا عنوان قائم کرتے ہیں،اس کے تحت ابواب کا ذکر کرتے ہیں،ہر باب کے تحت مختلف فصول قائم کر کے مسائل ذکر کرتے ہیں،مثلاً: كتاب الطهارة ،وفيه سبعة أبواب... الباب الأول في الوضوء... وفيه خمسة فصول: الفصل الأول في فرائض الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء... الباب الثاني في الغسل وفيه ثلاثة فصول: الفصل الأول في فرائضه... پوری کتاب کا تقریباً یہی انداز ہے سوائے چند مقامات کے، کہ وہاں''کتاب'' کا عنوان تو ہے لیکن''ابواب''نہیں اور کہیں''ابواب'' ہیں تو''فصول''نہیں۔

اسی طرح نئے عنوان کے تحت اس کی تعریف و معنی بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے،مثلاً:''کتاب الصلاۃ'' کی ابتدا میں نماز کی اہمیت،اس کا حکم،تارک صلاۃ کا حکم وغیرہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وفيه اثنان وعشرون بابا... الباب الاول فى المواقيت... الفصل الاول فى اوقات الصلاة... ''کتاب الحوالہ '' کے آغاز میں حوالہ کی تعریف،معنی وغیرہ ذکر کیے ہیں،اسی طرح''کتاب الشہادات'' کے شروع میں شہادت کے معنی،تعریف اور ضروری تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے۔لیکن یہ التزام ہر جگہ نہیں،چند مقامات پر ہے۔

خصوصیات:......فتاویٰ عالم گیری چند ایسی خصوصیات اور اوصاف کا حامل ہے جو اس کو دیگر کتب فقہ سے ممتاز کرتی ہے:

پہلی خصوصیت:......اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فردِ واحد کی تالیف نہیں، بلکہ علماء احناف کی ایک ممتاز جماعت (جو علم کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی بلند مقام کے حامل تھے) کی محنت اور جد و جہد کا نتیجہ ہے،

اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔

دوسری خصوصیت:...... ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ''ناقلاعن فلان'' لکھ کر اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

تیسری خصوصیت:...... اسلامی ہندوستان میں علمِ فقہ کی یہ پہلی مفصل ومبسوط کتاب ہے، جو ایک دین دار بادشاہ کی ذاتی سعی ومحنت سے لکھی گئی اور اس پر عمل کی دیواریں تعمیر کی گئیں اور پھر یہ کتاب کئی بار کتابت وطباعت کی منزلوں سے گزری، فارسی اور اردو زبانوں میں اس کے تراجم کیے گیے، تاکہ اس کے مضامین ومندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں۔

چوتھی خصوصیت:...... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے لکھی ہے، وہ یہ کہ

> ''اس کی تالیف میں عدالتی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے، چنانچہ اس میں بعض ایسے ابواب بھی شامل ہیں جو عام کتب فقہ میں دستیاب نہیں، مثلاً: کتاب الشروط اور کتاب المحاضرات والسجلات'' محضر نویسی، معاہدہ نویسی اور وثیقہ نویسی کے نمونوں پر مشتمل ہیں اور ان سے اسلامی فقہ کی روشنی میں معاہدات کی ترتیب وغیرہ کا انداز سامنے آجاتا ہے۔''
>
> (پیش لفظ فتاویٰ عالمگیری مترجم: ۱/۸، دارالاشاعت، کراچی)

فتاویٰ عالمگیری کی علمی وفقہی حیثیت:...... فتاویٰ ہندیہ کو علمی وفقہی دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں، وہ فقہ حنفی کی رو سے یا تو راجح اور مفتی بہ ہیں یا ظاہر الروایہ میں سے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے، اس کے مآخذ اور مراجع فقہ حنفی میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔

فتاویٰ کی تدوین میں شریک علماء وفقہاء...... فتاویٰ عالمگیری کی جو سب سے اہم خصوصیت ہے وہ یہ کہ اس کتاب کو ترتیب دینے میں اس دور کے بہترین علماء اور فقہاء کی شرکت ہے، یہ تمام حضرات اپنے دور کے ممتاز اہل علم تھے، جن کی بڑی علمی شہرت تھی اور جو معتمد علیہ شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں گزرا تھا، وہ اخلاق وکردار کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، فتاویٰ کی ترتیب کے لیے علماء کا ایک باقاعدہ بورڈ تھا جس میں کابل اور بخارا سے لے کر ارکان تک اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اکیس صوبوں کے ممتاز اور نامور علماء اور فقہاء موجود تھے۔ ان میں سے بعض فقہ کی کتابوں کو جمع کرتے، جزئیات اور حوالہ جات کا مطالعہ کرتے اور اقتباسات جمع کرتے اور اسے نقل کر کے یکجا کرتے۔ اس طرح علماء اور فقہاء کی ایک ٹیم اس کام کو سرانجام دے رہی تھی، جس میں ہر قسم کی صلاحیت کے افراد تھے۔ اس عظیم کام کی نجام دہی میں کتنے حضرات علماء کرام شریک تھے اس کی صحیح حتمی

تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا،مختلف اصحاب تحقیق نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے،جس کو جس عالم کے متعلق اس کار خیر میں شریک ہونے کا علم ہوا انہوں نے اس کا ذکر کر دیا۔اندازہ ہے کہ اس کام میں کم وبیش ۴۰ سے ۵۰ علماء شریک تھے۔نامور مؤرخ جناب محمد اسحاق بھٹی نے ۲۸ حضرات کا ذکر کیا ہے جو فتاویٰ کی تدوین میں شریک ہوئے،جبکہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کی تحقیق کے مطابق ان اٹھائیس میں سے صرف آٹھ حضرات کے متعلق تو یقینی ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف میں شریک تھے،باقی حضرات کی شمولیت کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ذیل میں ان ۲۸ علماء وفقہاء کے اسمائے گرامی پیش ہیں:

(۱)......شیخ نظام برہان پوری......(۲)......شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی......(۳)......شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی......
(۴)......شیخ رضی الدین بھاگل پوری......(۵)......مولانا محمد جمیل جون پوری......(۶)......قاضی محمد حسین جونپوری
(۷)......مفتی وجیہ الدین گوپامئوی......(۸)......سیّد محمد بن قنوجی......(۹)......مولانا حامد جون پوری......
(۱۰)......مولانا جلال الدین مچھلی شہری......(۱۱)......قاضی علی اکبر الہ آبادی......(۱۲)......قاضی عبدالصمد جونپوری
(۱۳)......مولانا ابو الواعظ ہرگامی......(۱۴)......مفتی ابو البرکات دہلوی......(۱۵)......شیخ احمد بن ابو المنصور
(۱۶)......مولانا عبدالفتاح صمدانی......(۱۷)......قاضی عصمت اللہ لکھنوی......(۱۸)......قاضی محمد دولت فتح پوری
(۱۹)مولانا محمد سعید سہالوی......(۲۰)......شیخ محمد غوث کاکوروی......(۲۱)......مفتی محمد اکرم لاہوری......
(۲۲)......شاہ عبد الرحیم دہلوی......(۲۳)......ملا فصیح الدین پھلواروی......(۲۴)......قاضی سیّد عنایت اللہ مونگیری......(۲۵)......مولانا محمد شفیع سرہندی......(۲۶)......ملا وجیہ الرب......(۲۷)......ملا غلام محمد......
(۲۸)......علامہ ابوالفرح۔

مطبوعہ ایڈیشن:......اس وقت ہمارے پیش نظر فتاویٰ عالم گیری کے دو مطبوعہ ایڈیشن ہیں:

(۱)......لیتھوٹائپ پر مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ کا شائع کردہ ایڈیشن جو بڑے سائز کی چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ابتدائی تین جلدوں کے حاشیہ پر فتاویٰ قاضی خان،جبکہ آخری تین جلدوں کے حواشی پر فتاویٰ بزازیہ شائع کیا گیا ہے۔

(۲)......چھوٹے سائز کی ۶ جلدوں پر مشتمل دارالکتب العلمیہ بیروت سے شائع شدہ نسخہ۔اسی کا عکس پاکستان میں قدیمی کتب خانہ کراچی نے شائع کیا ہے۔

☆......☆......☆

فتاویٰ عالم گیری کے مختلف زبانوں میں ترجمے

فارسی تراجم :......فتاویٰ عالمگیری،اورنگ زیب عالم گیر کی مساعی اور علمائے ہندوستان کی کاوشوں کا ایک حسین مجموعہ ہے۔جس کی بنا پر اورنگ زیب کی خواہش تھی کہ یہ ذخیرۂ فقہ،صرف عربی زبان تک محدود نہ رہے،بلکہ اس

زمانے کے ہندوستان کی اصل زبان فارسی میں بھی اسے منتقل کیا جائے، ہماری دانست میں فتاویٰ عالم گیری کے فارسی مترجمین دو ہیں، ذیل میں ان کا تعارف پیش ہے:

(۱)......**ملا عبد اللہ چلپی:**......آپ ترکی کے مشہور عالم ہیں اور اس کام کے لیے آپ کا انتخاب اورنگ زیب عالمگیر نے خود کیا اور آپ کے ساتھ آپ کے شاگردوں کی ایک جماعت بھی شریک کار تھی۔ آپ اورنگ زیب کے باپ، شاہ جہاں کے عہدِ حکومت میں فقیروں کے لباس میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ ان کا تعارف درج ذیل ہے:

> یعنی ''علامہ عبد اللہ رومی، ''چلپی'' کی نسبت سے معروف تھے اور کبار علما میں سے تھے۔ انھوں نے اورنگ زیب کے حکم پر فتاویٰ عالم گیری کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ وہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کی مروّجہ اصطلاحات سے پوری طرح واقف تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مغل حکمران شاہ جہاں بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں ہندوستان آئے اور فقیروں کی سی ہیئت میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ سعد اللہ خان وزیر ان سے بہت تعلق رکھتا تھا اور ان کو باقاعدہ وظیفہ دیتا تھا پھر ان کا رابطہ شاہ جہاں سے پیدا ہو گیا اور اس نے ان کا یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شاہ جہاں کے بعد جب اورنگ زیب عالم گیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے ان کو اپنی نوازشہائے خصوصی اور عنایتِ خسروانہ کے لیے مختص کر لیا اور فتاویٰ عالم گیری کے ترجمے پر مامور کر دیا۔ عبد اللہ چلپی، علوم وفنون میں نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ حکمت وتصوف میں ماہر تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔'' (بزم تیموریہ، ص: ۲۴۳)

(۲)......**قاضی نجم الدین علی خان کاکوروی:**......آپ حمید الدین بن غازی الدین بن محمد غوث کاکوروی کے بیٹے تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور علما میں ہوتا تھا۔ ۱۵/ربیع الاوّل ۱۱۵۷ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ عرصے تک اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر شیخ عبد الرشید جون پوری (مدفون بہ لکھنؤ) شیخ غلام یحیٰ بن نجم الدین بہاری اور ملا حسن بن غلام مصطفی لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ حسن اخلاق سے متصف مگر ساتھ ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ فقراء وضیوف سے محبت کا برتاؤ کرتے اور اپنے قرابت داروں اور اہلِ شہر سے بہت اچھی طرح پیش آتے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں فتاویٰ عالم گیری کی کتاب الجنایات کا فارسی زبان میں ترجمہ اور مفصل شرح ہے جو آپ نے لارڈ سر جان شور کے مشورے سے لکھی۔ جبر ومقابلہ کے موضوع سے متعلق ''الستۃ الجبریۃ'' اور فارسی میں ''شرح علی الستۃ الجبریۃ'' بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف عنوانات پر کئی کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔ عربی زبان میں ان سے بہت سے اشعار بھی منقول ہیں۔ منگل کے روز ۱۳/ربیع

الثانی ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/ ۱۵۷)

فتاویٰ عالمگیری کے کئی اُردو تراجم

ہندوستان میں انگریز کے دور اقتدار شروع ہو جانے کے بعد مسلمان آہستہ آہستہ عربی اور فارسی سے نابلد ہونے لگے تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس علمی ذخیرے کو بھی اُردو میں منتقل کیا جائے، تاکہ اردو دان طبقہ اس سے مستفید ہو سکے، چنانچہ ہماری معلومات کے مطابق اردو میں فتاویٰ عالم گیری کے تین ترجمے ہوئے ہیں۔

پہلا اردو ترجمہ:......ہندوستان کے ممتاز قانون دان اور نامور مترجم سید امیر علی کا کیا ہوا اردو ترجمہ، جو اَب ہندو پاک میں چھپ کر مقبولِ عام ہو چکا ہے۔آغاز کتاب میں فاضل مترجم نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو بے شمار معلومات پر مشتمل ہے۔

مطبوعہ ایڈیشن:......ہمارے پیش نظر اس اردو ترجمہ کے دو ایڈیشن ہیں:

پہلا ایڈیشن......دارالاشاعت، اردو بازار کراچی کا ۶ جلدوں میں شائع کردہ قدیم نسخہ، جو گذشتہ تقریباً تین دہائی قبل شائع ہوا تھا۔ چوں کہ یہ ترجمہ ہندوستان میں کیا گیا تھا اور وقت گذرنے کے ساتھ زبان، اسلوب اور طرز بیان سب کچھ میں تبدیلی آ گئی ہے، تو ضرورت تھی اس بات کی کہ اس کو تسہیل اور ترتیب جدید سے مزین کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ ادارہ دارالاشاعت کے کارپردازوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا، جو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

۱......سابقہ ترجمہ میں جہاں ضرورت محسوس ہوئی بقدر ضرورت بعض مقامات پر الفاظ میں تقدم وتأخر کیا گیا ہے یا قدیم طرز کو چھوڑ کر آسان وجدید مستعمل الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

۲......بعض مقامات پر مشکل وقدیم الفاظ کے معانی قوسین میں درج کر دیے ہیں یا حاشیہ میں اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے۔

۳......قدیم نسخہ میں کتابوں کے حوالہ جات میں لمبی عبارت تھی، جب کہ اس جدید ایڈیشن میں صرف کتاب کا نام قوسین میں ذکر کیا ہے۔

۴......عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۵......خاص خاص مقامات کو بولڈ کر کے نمایاں کر دیا ہے۔

۶......سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ مختلف مقامات پر اردو فتاویٰ (مثلاً: فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ اور فتاویٰ عثمانی) اور کتب فقہ (فقہی مقالات) سے استفادہ کرتے ہوئے حواشی میں جدید مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے، جس سے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بخوبی معلوم ہو سکے گا۔

فتاویٰ عالمگیری کا یہ ایڈیشن 12 جلدوں میں شائع ہوا ہے، تسہیل اور اضافات کے فرائض مفتی محمد عابد قریشی اور

دیگر علمائے کرام نے سرانجام دیے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن...... 6 جلدوں پر مشتمل یہ ایڈیشن مکتبہ رحمانیہ، غزنی اسٹریٹ لاہور کا تسہیل اور اضافہ عنوانات کے ساتھ شائع شدہ نسخہ۔ تسہیل و عنوانات کی ذمہ داری مولانا ابو عبید اللہ (خطیب جامع مسجد رحمۃ للعالمین، ڈیفنس، لاہور) نے نبھائی ہے۔

دوسرا اردو ترجمہ:......مولانا محمد صادق مغل نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ مکمل کتاب کا نہیں ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری کے چند خاص ابواب کا ترجمہ ہے۔ مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیری، راول پنڈی نے اسے شائع کیا ہے۔ (نقد و نظر، از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ: ۱ / ۴۱۷)

تیسرا اردو ترجمہ:......دار العلوم دیوبند کے فضلاء اور اساتذہ کا کیا ہوا ترجمہ، نگرانی کے فرائض دار العلوم دیوبند کے ارباب افتاء نے سرانجام دیے ہیں۔ کتاب کے ٹائٹل پر تعارفی عبارت کچھ یوں ہے:

''حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس اللہ سرہ کا عظیم کارنامہ، اسلامی دستور کی مکمل انسائیکلوپیڈیا 'فتاویٰ عالمگیری' تازہ فٹ نوٹس، مفید ضمیموں، سلیس و شگفتہ اور بامحاورہ زبان کے ساتھ، اردو کے حسین قالب میں''۔

سن اشاعت ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء ہے۔ ہمارے پیش نظر اس کے چند اجزاء ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

جز نمبر	نگران	مترجم
جز ۲ (کتاب الصلوٰۃ نصف اول)	مفتی محمود احمد صدیقی مفتی جمیل الرحمن	مولانا لقمان الحق فاروقی
جز ۳ (کتاب الصلوٰۃ نصف ثانی)	مفتی محمود احمد صدیقی مفتی جمیل الرحمن	مولانا لقمان الحق فاروقی
جز ۵ (کتاب الحج)	مفتی جمیل الرحمن	مولانا لقمان الحق فاروقی
جز ۸ (کتاب الطلاق)	مفتی جمیل الرحمن	مولانا خورشید عالم
جز ۹ (کتاب الطلاق)	مفتی محمود احمد گنگوہیؒ	مولانا خورشید عالم

مترجمین حضرات نے جہاں ضرورت محسوس کی، وہاں حاشیہ میں مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل بھی ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، مفتی جمیل الرحمن صاحب، مفتی محمود احمد صدیقی کے تاثرات بھی شامل ہیں۔ مکتبہ آفتاب ہدایت، دیوبند سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

انگریزی ترجمہ:......انگریزی زبان میں اس کا کوئی مکمل اردو ترجمہ موجود نہیں، البتہ" A Diegest of Islamic Law in Indai Mohammadan Hanific" کے نام سے ایک ترجمہ کا ذکر ملتا ہے، جو سن ۱۸۵۰ء میں N.B.A Baila نے کیا ہے، لیکن یہ بھی نامکمل ہے۔(ماہنامہ چراغِ راہ، ص: ۴۱۲، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/۱۵۰)

تحقیق کی ضرورت:......یہ بات نہایت باعث حیرت بھی ہے اور قابل افسوس بھی کہ اس قدر اہم اور عظیم الشان کتاب اپنی جلالت شان اور قدر و قیمت کے باوجود محققین کی نظروں سے اوجھل ہے اور ہماری دانست کے مطابق فتاویٰ عالم گیری پر اب تک کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں ہوا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کی شایانِ شان انداز میں تحقیق کی جائے اور تحقیق میں درج ذیل امور کا بطور خاص اہتمام کیا جائے:

(۱)......مختلف نسخہ جات کی مراجعت کر کے صحیح عبارت نقل کی جائے۔

(۲)......اگر کسی مسئلہ کا حکم عرف، زمانہ یا ابتلائے عام کی بنا پر بدل گیا ہو، حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

(۳)......کتاب میں جن شخصیات، اماکن یا کتب کا تذکرہ ہے، ان کا تعارف کرایا جائے۔

(۴)......جن مراجع و مصادر سے مرتبین نے استفادہ کیا ہے، ان کی طرف مراجعت کر کے صحیح عبارت نقل کی جائے۔

(۵)......قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور آثار کی تخریج کی جائے۔

ماخذ و مراجع:

(۱) مآثر عالمگیری، مصنف: محمد مستعد خان ساقی (۲) برصغیر میں علم فقہ، مصنف: مولانا محمد اسحاق بھٹی، (۳) رقعات عالمگیری، مصنف: سید نجیب اشرف ندوی، (۴) حدائق الحنفیہ، (۵) علمائے ہند کا شاندار ماضی، (۶) انوار انوری، (۷) ملفوظات فقیہ الامت، (۸) ماہنامہ چراغ راہ، (۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ

☆......☆......☆

مسافرانِ آخرت

مولانا سمیع الحق......قافلہ اہل حق کا ایک بزرگ شہید

مولانا ابن الحسن عباسی

استاد المجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کل جمعہ کے دن (۲ نومبر ۲۰۱۸ء) راولپنڈی میں شہید کردیئے گئے، وہ اکوڑہ خٹک سے تحفظ ناموس رسالت کے جلسے میں شرکت کے لیے اسلام آباد آئے تھے، واپسی پر، بحریہ ٹاون کے ایک گھر میں کچھ دیر آرام کرنے رکے، ڈرائیور کہیں باہر نکلا اور قاتلوں نے گھر میں گھس کر چاقو اور چھری کے وار کر کے پاکستان اور عالم اسلام کی اس بزرگ ہستی کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا۔ وہ پاکستان میں جہاد افغانستان کی ایمان افروز داستانوں کی شناخت رکھنے والے کرداروں کے استاذ و مربی تھے، وہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سربراہ تھے، جہاں سے جہاد و عزیمت کے لئے اٹھنے والے قافلوں نے افغانستان کی وادیوں میں ایک لہو رنگ تاریخ مرتب کی......مارچ ۲۰۱۸ کو وہ بیمار ہوئے، دل کا بڑا آپریشن تھا، وہ اسپتال میں داخل تھے، احقر نے اس وقت ''اکوڑہ خٹک کا چراغ ٹمٹمانے لگا'' کے عنوان سے ان پر مضمون لکھا، آپریشن کی رات وہ پورا مضمون ان کے صاحبزادے، ماہنامہ الحق کے مدیر برادر مکرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے انھیں سنایا اور مجھے یہ برقی پیغام بھیجا:

''السلام علیکم! برادرم، بہت شکریہ، جزاک اللہ خیرا، حضرت والد صاحب کو میں نے آپ کا مضمون تفصیل سے سنایا، انہوں نے بہت دعائیں آپ کو دیں اور خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں، دعاؤں میں بھی انہیں یاد رکھیں، کل آپ سے بات کروانے کی کوشش کروں گا۔''

صحت مند ہونے کے بعد حضرت نے فون کیا، تفصیلی بات ہوئی، اور دعائیں دیں۔ اللہ تعالی نے ہزاروں شہیدوں کے اس استاد و مربی کی قسمت میں شہادت کی سعادت لکھی تھی، وہ سال کی عمر میں جمعے کے دن عصر کے بعد بوڑھے نحیف جسم پر بہنے والے مظلومانہ خون کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے......زہے مقدر، زہے نصیب......قابل رشک زندگی،

اورقابل رشک موت:

میرے خاک وخوں سےتو نے کیا یہ جہاں پیدا
صلہ شہید کیا ہے، تب وتاب جاودانہ

اب ذرا وہ مضمون پڑھیں جو ان کی حیات ہی میں لکھا گیا اور جنہیں پڑھ کر انہوں نے بیش بہا دعاؤں سے نوازا:

استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا نام گرامی محتاج تعارف نہیں، وہ ایک ہمہ پہلو شخصیت ہیں اوران کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ویسے تو وہ پاکستان میں ایک سیاسی اسلامی رہنما کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں اور عوام کی ایک بڑی تعداد میں ان کی شناخت کا یہی حوالہ معروف ہے......لیکن اس ناکارہ کے نزدیک ان کی شخصیت کا علمی حوالہ اس سے کہیں بلند ہے۔

پاکستان ہی نہیں برصغیر پاک و ہند کا بڑا دینی ادارہ ہے، جہاں سے ہر سال دستار فضیلت حاصل کرنے والے فضلاء کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوتی ہے۔ملک وملت کے کئی ممتاز رہنما اسی ادارے کے فاضل اور تربیت یافتہ ہیں، جہادِ افغانستان کی صف اول کی قیادت یہیں کی خوشہ چین رہی،مولانا محمد نبی،مولانا یونس حقانی، پروفیسر سیاف اور مولانا جلال الدین حقانی ،اسی چشمہ فیض سے وابستہ رہے اور ''دارالعلوم حقانیہ'' ہی کی نسبت سے خود کو حقانی کہتے رہے۔ پاکستان میں اسلامی سیاست کے صفِ اول کے رہنما حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ بھی اسی ''دارالعلوم حقانیہ'' کے فاضل ہیں، انہوں نے علوم دینیہ کی تقریباً ساری تعلیم یہیں حاصل کی اور نو سال تک یہاں سے طالب علمانہ فیض اٹھاتے رہے۔حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے جس انداز سے اپنے عظیم والد کے بعد اس ادارے کو بڑھایا، سنوارا اور اس کے فیض کو عام کرنے کے لیے ممتاز محدثین اور اساتذہ کو جمع کر کے وہاں کے منصب درس وتدریس کی رونقوں کو نہ صرف یہ کہ بحال رکھا بلکہ اسے مزید جلا بخشی ، یہ ان کے تدبر،فہم وبصیرت،علمی ذوق، علمی میراث کے تحفظ اور اہل علم کی قدر دانی کا ایک نمونہ ہے، انہوں نے اس علمی ادارے کی آبیاری میں سیاسی پگڈنڈیوں کے پیچ وخم اور ذاتی پسند و ناپسند سے بالا ہوکر بڑی وسیع الظرفی کا مظاہرہ قائم رکھا، ان کی اسی مدبرانہ پالیسی اور مومنانہ صفات کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ آج بھی طالبان علوم نبوت اور اہل حق کے سیلِ رواں کا پاکستان میں سب سے بڑا مرجع ہے۔

مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ایک بڑا کارنامہ ماہنامہ ''الحق'' کا اجراء ہے جو گزشتہ نصف صدی سے روشنی بکھیر رہا ہے، ''الحق'' نے ایوانوں اور بیابانوں میں حق کی صدا بلند کی اور عرصے تک ویران راستوں کے اندھیروں میں

قندیلِ ایمانی بنا رہا، نہ جانے بھٹکے ہوئے کتنے مسافر اس سے درست سمتوں کی رہنمائی لیتے رہے!!

''الحق'' کا جب بھی ذکر آتا ہے، مجھے فکر و خیال، عمر رواں کی تلخ و شیریں حقیقتوں سے آزاد کر کے بچپن کی حسین دنیا کی دل کشیوں میں لے جاتا ہے، دریائے اباسین کے ساتھ گاؤں کی مسجد، جہاں لکڑی کی سیاہ رنگ کی الماری کے اوپر ''الحق'' کی جلدیں پڑی رہتیں، انہیں اٹھاتا، عمر ابھی گیارہ بارہ برس ہی ہوگی، ان میں مولانا سمیع الحق صاحب کے ولولہ انگیز اداریے پڑھتا، ان کے قلم کی روانی و سلاست اور مد و جزر کی حلاوت آج تک محسوس ہو رہی ہے، اس مسجد کے بورزہ پر بیٹھ کر خان بابا غازی کابلی کے مضامین پڑھے، مولانا شمس الحق افغانی کی تحریریں دیکھیں، مضطر عباسی، مولانا انظر شاہ کشمیری کی تحقیقات نظر سے گذریں، مولانا عبدالحق صاحب کے مواعظ و نصائح کا مطالعہ کیا اور مدینہ منورہ میں مقیم اپنے خاندان کے بزرگ مولانا عبدالغفور عباسی کی اصلاحی مجالس اور ملفوظات سے مستفید ہوا، جنہیں مولانا سمیع الحق صاحب نے وہاں رہ کر قلم بند کیا، آزادی ہند کے رہنما حضرت مولانا عزیر گل صاحب، نابغۂ روزگار محدث مولانا نصیر الدین غور غشتوی اور سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ و محدث مارتونگ بابا سے تعارف ہوا۔ یہی پر استاذ محترم مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی وہ نظم پڑھی جو انہوں نے چاندنی رات میں دریائے کابل کی سیر کرتے ہوئے کشتی میں مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر احباب کو سنائی تھی، جس کا سرنامہ ہے:

تو حسن کا پیکر ہے تو رعنائی کی تصویر　　　مخمور بہاروں کے حسین خواب کی تعبیر
رخشاں ہے تیرے ماتھے پہ آزادی کی تنویر　　　اے وادی کشمیر......اے وادی کشمیر

''الحق'' نے علمائے سرحد کی سوانح وحیات اور ان کے علمی کارناموں کے تعارف میں بھی مرکزی کردار ادا کیا اور علم و ہنر کے گنج ہائے گراں مایہ ''الحق'' ہی کے ذریعے متعارف ہوئے، ''الحق'' کے معیار کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک زمانہ میں اردو کے نامور ادیب اس پر بحث کر رہے تھے کہ اردو رسائل و جرائد میں سب سے عمدہ نثر کس رسالے کی ہے، اس مجلس میں پروفیسر حسن عسکری بھی تھے، سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اکوڑہ خٹک کا ''الحق'' سب سے بہترین نثر کا حامل رسالہ ہے۔

پختون وادی سے نکلنے والے اس مجلہ نے اہل زبان و ادب میں اپنے معیار کی بنا پر جس طرح حیران کن پذیرائی حاصل کی، اسی طرح مولانا سمیع الحق صاحب کا حیران کن کارنامہ مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کا زیر نظر مجموعہ ہے، جو سات ضخیم جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہ اردو ادب کی تاریخ مکاتیب و خطوط کا خاتمہ اور مولانا سمیع الحق صاحب کے علم اور اہل علم کی قدر دانی کی حیران کن لازوال مثال ہے کہ انہوں نے معروف اور غیر معروف تمام حضرات کے خطوط اپنے پاس محفوظ رکھے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان کو کسی تقریب کی دعوت دی ہے یا کسی تہوار اور خوشی پر مبارک باد دی ہے اسے بھی انہوں نے محفوظ رکھا۔

''یہ ان تاثرات کا ایک حصہ ہے جو کچھ عرصے قبل احقر نے مولانا سمیع الحق صاحب کے مرتب کردہ خطوط کے مجموعہ کے لیے لکھے تھے'' آج معلوم ہوا کہ مولانا بیمار ہیں، اور شفاخانہ میں داخل ہیں، وہ دل جو نصف صدی سے زیادہ عالم اسلام اور پاکستان کے لئے دھڑکتا رہا......شاید بہت تھک چکا ہے۔

بستر علالت پر ان کی ایک آرزو یہ ہے کہ اپنے استاد مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے تفسیری افادات پر جو عظیم الشان علمی کام وہ کر رہے ہیں، اس کے بیس پارے کئی ہزار صفحات میں مکمل ہو چکے ہیں، بقیہ دس پاروں کا کام بھی مکمل ہو جائے! حقیقت یہ ہے کہ انہی کا قلم اس مستحق ہے کہ اپنے استاد وشیخ کے تفسیری نکات وافادات کو جمع کرے، دوسری آرزو اس عظیم الشان مسجد کی تکمیل ہے جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے احاطے میں زیر تعمیر ہے، اللہ تعالی انکی دونوں آرزوں کو پورا فرمائے، ان کو صحت عطا فرمائے اور جلد عطا فرمائے: آمین

تمتّع من شميم عرار نجد فَمَا بعد العشية من عرار

صحت مند زندگی گذاریں

تمام اہل خانہ کے لئے۔ 1۔نہار منہ ایک دیسی لہسن کی پھلی دو ٹکڑے کر کے پانی سے نگل لیں۔ 2۔ناشتے میں دہی کا استعمال لازمی کریں۔ 3۔ناشتے کے وقت ایک آملہ ایک سیب کا استعمال کریں۔ 4۔گھی کی روٹی کی بجائے خشک روٹی استعمال کریں۔ 5۔دن میں بارہ گلاس پانی ہر صورت پیئں۔ 6۔ایک دن چھوڑ کر تخم ملنگہ اور اسپغول چھلکا کا استعمال کریں۔ 7۔ادرک، سونف، دار چینی، پودینہ، چھوٹی الائچی، تمام چیزیں تھوڑی مقدار میں لیں۔ زیادہ نہ لیں۔ان کا قہوہ بنا کے ایک ایک کپ پیئں۔تھوڑی شکر اور آدھا لیموں ملا لیں۔ایک دن چھوڑ کر ایک دن پیئں۔ 8-روزانہ پانچ یا سات کھجوریں رات کو پانی میں ڈال دیں، صبح نہار منہ پانی پی لیں اور کھجوریں کھالیں۔ 9-صبح کے وقت بھگو کے رکھے ہوئے بادام چھیل کر کھائیں 7 عدد۔ 10-بوتل اور ڈبے والے جوسز ترک کر دیں۔بہت نقصان دہ ہیں۔ان کی جگہ گھر میں فریش جوسز بنا کر پیئں۔ ہر گھر میں گرینڈر موجود ہیں۔کوئی مشکل نہیں۔ 11-روزانہ اپنے ہاتھ کی ہتھلیوں اور پاؤں کے تلووں پر تیل لگا کر سوئیں۔ناف میں تین قطرے تیل ڈالیں۔کافی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ 12-تلاوت قرآن پاک، پانچ وقت نماز پابندی سے پڑھیں اور جو تھوڑا سا وقت جب بھی ملے اللہ کا ذکر کریں۔اللہ ہم سب کو ایمان اور جان کی حفاظت کے ساتھ رکھے۔آمین۔ اپنے تمام اہل خانہ، رشتہ داروں دوستوں، تعلق داروں اور عوام الناس کو یہ چیزیں بتائیں اور پاکستان کو صحت مند بنائیں۔اللہ کریم آپ سب کو جسمانی روحانی صحت عطا فرمائے۔آمین

اقتصاد ومعیشت

وقف کے ارتقاء پر ایک نظر

مولانا مفتی اویس نعیم
معاون نگران تخصص جامعہ تراث الاسلام

نظامِ اوقاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ خاص عنایت ہے جس کی بنیاد پر عصرِ حاضر کے اکثر مادی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ریاست کے مسائل میں سے اکثر مسائل انہیں اوقاف کے ذریعے حل کیے جاتے رہے ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی چند جدید صورتیں ایسی سامنے آئی ہیں جن کی بنیاد پر موجودہ معاشی ضروریات کو پورا کیا جا رہا ہے۔ اسی سلسلے میں ہماری بھی کوشش ہے کہ وقف کے ارتقاء سے لیکر عصرِ حاضر میں موجود وقف کی قدیم وجدید صورتوں کے مطابق کچھ لکھا جائے، عین ممکن ہے کہ یہی ہمارے حصے کی شمع ہو جس کے سبب آخری وحقیقی منزل تک رسائی میں آسانی میسر ہو سکے۔

”کسی چیز کو اللہ کے راستے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس طور سے دے دینا کہ اس کی اصل بچا کر رکھی جائے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع خرچ کیا جائے“ وقف کہلاتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی پسندیدہ نیکی ہے، اس سلسلے کی مختلف احادیث کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر میں کچھ مال ملا ہے، مجھے اس سے بہتر مال بھی حاصل نہیں ہوا، آپ اس کے متعلق مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر تم چاہو تو اس کی اصل روکے رکھو اور اسے صدقہ کر دو، لیکن یہ ہے کہ اس اصل کو نہ تو ھبہ کیا جائے گا، اور نہ وہ وراثت بنے گا۔“

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فقراء ومساکین اور رشتہ داروں، اللہ کے راستے، اور مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم میں روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب آدم کا بیٹا فوت ہوجاتا ہے تو اس کے عمل رک جاتے ہیں، صرف تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے اس کے بعد نفع بھی حاصل کیا جاتا رہے، یا نیک اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔“

اگرچہ اسلام سے پہلے ”وقف“ اپنے اس خاص معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا لیکن اموال اور املاک کی متعدد صورتیں موجود تھی جن میں عبادت گاہیں، رفاہی امور یا مختلف افراد کے ساتھ کسی ملک کو خاص کر دینے کی مثالی ملتی ہیں جو کہ چند جہات سے وقف کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ اوقافِ ابراہیم خلیل الرحمن بھی اسی کی ایک کڑی ہے جو آج تک باقی ہیں۔ یہ اسلام سے پہلے وقف کے وجود پر بہترین دلیل ہے۔ اسی طرح کعبہ وہ پہلا مقدس مکان ہے جو عرب اور اسلام سے پہلے سے موجود ہے۔ ایسا مکان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے تعمیر ہوا تاکہ لوگوں کی پناہ گاہ رہے، بعد میں عمومِ عرب کیلیے عبادت گاہ ٹھہرا اور وہ لوگ اپنے قبائلی اختلاف کے باوجود ہر سال کعبہ کی طرف سفر کرتے۔ ایک اور مثال وہ سند ہے جو فتحِ شوش کے موقع پر حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام کے بُقعہ میں ملی۔ اس سند کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خزانہ ایسا تھا جس سے لوگوں کو بلاسُود قرضے فراہم ہوتے تھے۔ خلیفہ کے دستور کے مطابق جو سند میں ذکر ہوا ہے، خزانہ بیت المال میں منتقل ہوا اور سند میں مذکور دستور کے مطابق اس سے استفادہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے انواع واقسام کے وقف لوگوں کے لیے موجود تھے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں اصل یہ ہے کہ وقف رضاء خداوندی کیلیے ہونا چاہیے جبکہ جاہلیت کے زمانہ میں ایسی نیت وقصد نہیں تھا اسی دلیل کی بناء پر امام شافعیؒ نے جاہلیت کے زمانے میں وقف موجود ہونے کی مطلقاً نفی کی ہے اور ظاہر ہے وہ صرف ایسے وقف کی نفی ہے جس میں قربتِ الٰہی کا قصد کیا گیا ہو۔

ذیل میں اسلام سے پہلے کے چند اوقاف ذکر کیے جاتے ہیں:

قبۃ الهیکل (یہودیوں کا عبادت خانہ)...... یہود کے ہاں عاشورہ کا دن جسے کفارے کا دن بھی کہا جاتا ہے رکنے اور کٹنے کا دن ہے۔ یہ عید المظال سے پانچ دن قبل واقع ہوتا ہے یعنی ۱۰ تشری کے دن اور یہی دن یوم الکبور (Kipur) بھی ہے۔ اس دن کا روزہ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ اس دن کی حرمت ”سبت“ کی حرمت کے مانند ہے۔ اور اسی دن سب سے بڑا یہودی عالم (کاہن اعظم) قدس الاقداس (یہودی عبادت خانہ ”قُبّۃ الهیکل“ کی سب سے زیادہ مقدس جگہ) میں اس دن کے خاص دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے داخل ہوتا ہے۔

یہود کے کنائس:...... کنیسہ (انگریزی: shul، یونانی: synagogue) یہودی معبد کو کہتے ہیں عبرانی میں

اس کو بیت تفیلہ (عبادت گاہ) یا بیت کنیسیت (جماعت خانہ) بھی کہا جاتا ہے عموماً ہر شول میں ایک بڑا سا کمرہ ہوتا ہے جس میں جماعت اکٹھی ہوتی ہے، دو تین چھوٹے کمرے ہوتے ہیں اور اس میں درسِ تورات کے لیے ایک الگ کمرہ ہوتا ہے جس کو بیت مِدراش کہتے ہیں بڑے شولوں میں اکثر مِقواہ بھی موجود ہوتا ہے جو غسل کے لیے ہوتا ہے۔

نصاریٰ کے کلیساء:......''کلیسا''(Christian Church) سے مراد عیسائیوں کا اجتماع یا انجمن ہے۔ البتہ ان کی عبادت گاہوں کو بھی غلطی فہمی کی وجہ سے کبھی کبھی کلیسا لکھا اور بولا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ گرجا گھر یا کلیسا، ایک مسیحی عبادت گاہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ کیتھیڈرل، ایک بڑے گرجا گھر کے لیے بولا جاتا ہے۔ کیتھولک کلیسیا ایک کیتھولک مسیحی فرقہ ہے۔ یہ تمام عبادت گاہیں صرف عبادت اور مقررہ کام کے لئے ہی استعمال کی جاتی تھیں۔

آتش پرستوں کے عبادت گاہیں:......سورج کی پوجا کرنے والوں نے اس کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک نگینہ تھا۔ اس بت کا ایک خاص گھر تھا جو انھوں نے اسی کے نام پر تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس بت کے لیے بہت سی بستیاں اور زرعی زمینیں وقف تھیں۔ اس کے بہت سے خدام، منتظمین اور دربان تھے۔ وہ دن میں تین بار اس گھر میں آتے اور سورج کی نماز پڑھتے۔ وہاں مصیبت زدہ لوگ آتے اور اس بت کے لیے روزہ رکھتے، نماز پڑھتے، اسے پکارتے اور اس کی شفاعت کے طالب ہوتے۔ یہ سب کے سب سورج کو اس وقت سجدہ کرتے جب وہ طلوع ہوتا، غروب ہوتا اور آسمان کے درمیان میں ہوتا۔ اسی لیے ان تینوں اوقات میں شیطان بھی سورج کے ساتھ ہو جاتا، تاکہ ان کی عبادت اور سجدے اس کے لیے ہو جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ قبلہ:......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔

مسجدِ اقصیٰ:......قبلہ اول مسجد اقصیٰ جو دورِ حاضر میں بھی قدیم یعنی قبل الاسلام اوقاف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بئر زم زم:......آبِ زم زم کا کنواں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قدموں کا صدقہ ہے اور اسی وقت سے وقف کے احکام کے مطابق اسکو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

قدیم مصری اوقاف:......مصر کی قدیم تہذیب میں بھی عبادت گاہوں اور دیگر سلطنت کے امور کے لئے اوقاف کے قیام کا تذکرہ ملتا ہے۔

قدیم رومی اوقاف:......مصر کی طرح روم میں بھی اہلِ روم نے سوشل ورکنگ کے لئے زمینیں اور عبادت لے لئے عبادت گاہیں قائم کر رکھی تھیں۔

مندروں کے اوقاف:......جیسا کہ آج بھی ہندو مذہب میں مندر کے نام پر کئی چیزیں نذر کی جاتی ہیں، مثلاً جانور، زمینیں اور غلہ جات وغیرہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعمیر کردہ مساجد:......اسلام کے آغاز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مساجد، مدارس اور مکاتب قائم فرمائے اور آپ کے زمانے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اوقاف قائم کیے۔

بنی اُمیّہ کے زمانے میں وقف:......اسلام کے ظہور کے بعد اسلام جس قدر پھیل رہا تھا، اسلام کی ثقافت اور تمدن میں بھی اُسی قدر وسعت اور رونق آتی جارہی تھی، وقف جو کہ مسلمانوں کی ثقافت کے منجملہ امور میں سے تھا، ان تبدیلیوں کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

شروع میں حکومتیں امورِ وقف چلانے میں مداخلت نہیں کرتی تھیں اور وقف شدہ اشیاء کا انتظام وقف کرنے والوں یا ان کی طرف سے منصوب ہونے والے افراد کے ذریعے چلتا تھا لیکن آہستہ آہستہ موقوفات کے بڑھنے اور اسلامی معاشروں کی اجتماعی زندگی میں تبدیلیوں نے حکومتوں کی دخالت اور اوقاف کے انتظامی اداروں کا قیام لازمی کر دیا۔

بنی امیہ کی حکومت کے زمانے میں توبن عز بن حومل حضرمی مصر کا قاضی ہوا، ایک دن اُس نے اعلان کیا کہ مصر کے صدقات فقیر وغریب لوگوں کیلیے ہیں اور مجھے مصلحت اسی میں نظر آرہی ہے کہ موقوفات کے امور میں مداخلت کروں تا کہ تملک یا وراثت کے راستے یہ موقوفات ختم نہ ہوجائیں، تو بہ بن نمر کے دنیا سے جانے سے پہلے قاضیِ شہر کی نظامت میں اوقاف کا انتظام چلانے کے لیے ایک مستقل ادارہ بن گیا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے خصوصی طور پر اوقاف کے ثبت کرنے کا حکم جاری کیا۔

خلافتِ عباسیہ کے زمانے میں وقف:......عباسیوں نے ۱۳۲ سے لے کر ۶۵۶ھ۔ق تک یعنی تقریباً پانچ سو سال حکومت کی۔ یہ ایسا دَور تھا کہ ان کی وسیع اسلامی قلمرو پر حکومت کے دوران اسلامی تہذیب وتمدن نے بہت رواج پایا تھا اور وقف بھی وسعت پاتا گیا۔

جس طرح تاریخی کتابوں اور سفرناموں میں ذکر ہوا ہے کہ اُس زمانے میں اسلامی ممالک میں اکثر شہروں اور دیہاتوں میں موقوفات موجود تھے کہ جن میں بغداد کے اوقاف، اسی طرح دمشق، مصر اور ایران کے اوقاف زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر الکبیسی کتاب ''شریعتِ اسلامی میں وقف کے احکام'' کے مصنف، لکھتے ہیں: عباسیوں کے زمانے میں ادارۂ موقوفات ایسے شخص کے اختیار میں تھا جسے صدر الوقوف کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

خلافتِ عثمانیہ کے زمانے میں وقف:......جب غرب کے اکثر ممالک میں آلِ عثمان نے قدرت اپنے ہاتھوں میں لی تو وقف کے باب میں وسیع تشکیلات ایجاد کیں۔ ان کے زمانے میں بہت زیادہ قواعد وضوابط منظور ہوئے کہ ان

میں سے بہت زیادہ قوانین پر ابھی تک اسلامی ممالک میں عمل ہو رہا ہے مثال کے طور پر عثمانی عہد میں صادر ہونے والے قوانین میں ''ادارہ اوقاف کا آئین نامہ'' ہے جو ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ۔ق میں منظور ہُوا اور اس میں اوقاف کے منتظمین و متولی حضرات کے اختیارات و وظائف بیان ہوئے ہیں۔ایک آئین نامہ ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ۔ق میں سامنے آیا (نشر ہوا) جس میں عثمانی حکومت میں زمینوں کی اقسام، موقوفات کے معاملات اور وقفی مستغلات بیان ہوئے تھے۔ایک اور قانون بھی رمضان المبارک ۱۲۷۴ میں نشر ہوا اور اسی طرح دورِ حاضر تک جاری ہے کہ ان تقسیماتِ اراضی میں سے زیادہ تر تقسیمات پر ابھی بھی عمل ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر دور اور ہر زمانے میں مذہبی، ملی، معاشی اور سیاسی سرگرمیوں کے لئے اوقاف قائم کیے جاتے رہے ہیں۔اور انہیں اوقاف کی بدولت ان کے نظام اپنے اوقات میں کامیاب نظام تھے۔آئندہ مضامین میں یہ کوشش کی جائے گی کہ ترتیب وار ہمارے مسائل کی نشاندہی کی جائے اور وقف نظام کے تحت ان کا ممکنہ حل بھی پیش کیا جائے۔(وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم)

مآخذ و مراجع

(۱)......تاريخ الوقف عند المسلمين، أحمد بن صالح العبد السلام،

(۲)......محمد عبيد الكبيسي، أحكام الوقف في الشرعية الاسلامية، 1977،

(۳)......مقدمہ ابن خلدون

(۴)......أحكام الأوقاف للخصاف الطبعة الأولى

(۵)......تاريخ الأوقاف في مصر في عصر سلاطين المماليك (1250-1517م)، جامعة القاهره، كلية الآداب، 1972

(۶)......تاريخ العمارة والفنون الاسلامية، الطبعة الثانية 1970

☆......☆......☆

مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب نے جسم کے کسی بھی حصہ میں درد یا تکلیف کے لئے حدیث کی مستند کتاب ترمذی شریف میں ذکر کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی آسان اور مختصر دعا نقل فرمائی:

طریقہ: درد کی جگہ ہاتھ رکھ کر تین دفعہ بسم اللہ، بسم اللہ، بسم اللہ کہے اور پھر سات دفعہ یہ دعا پڑھے:

أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ

ان شاء اللہ درد اور تکلیف دور ہو جائے گی۔اگر بظاہر کہیں درد نہ بھی معلوم ہوتا ہو تب بھی ہر نماز بعد یا صبح شام اس دعا کا معمول بنائیں۔مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں، ''میری عمر 82 سال ہے اور 40 سال سے میرا اس دعا کا معمول ہے، جس کی برکت سے موذی بیماریوں سے محفوظ ہوں۔'' ہمیں بھی رسول اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی اس دعا کا معمول بنانا چاہیے۔

ڈائری لکھنے کے فوائد

محمد بشارت نواز
معاون مدیر: ماہنامہ التخیل

انسانی طبیعت فطری طور پر پسند کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے حالات و واقعات اور مشاہدات کو یاد رکھے اور حسبِ موقع ان سے سبق حاصل کرے۔ ان حالات و واقعات اور مشاہدات کو یاد رکھنے اور محفوظ کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اس کو کاغذ پر اتار لینا ہے۔ جسے روزنامچہ یا ڈائری لکھنا کہتے ہیں۔ ڈائری لکھنے کا معمول صدیوں پرانا ہے۔ تسلسل کے ساتھ ڈائری لکھنا بے حد ''مفید عمل'' ہے۔ اس کی افادیت کی بنا پر دنیا کے کامیاب لوگوں نے اسے اپنے معمولات کا حصہ بنایا ہے۔

روزنامچہ یا ڈائری عموماً تفکر، افکار اور معاملات کے تاریخ وار لکھنے کے لیے ہی استعمال میں آتی رہی ہے۔ صدیوں پہلے لکھے گئے بہت سارے روزنامچے آج بھی بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز امر ہے ڈائری لکھنے والے مرد ہوتے ہیں۔ پھر بھی دنیا میں جو مشہور روزنامچے ہوئے ہیں، ان میں لکھنے والی عورتیں بھی ہیں۔ ان میں ''ڈوروتھی ورڈسورتھ'' اور ''ورجینیا وولف'' بہت مشہور ہوئی ہیں۔ اسی طرح یورپ کی ایک بڑی لکھاری ''این فرینک'' مانی جاتی ہیں۔ اس یہودی جوان لڑکی کو نیدرلینڈ پر نازی قبضے کے درمیان دو سال تک چھپے رہنا پڑا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کو جرمن خفیہ پولیس گیسٹاپو نے پکڑ لیا اور ان کو پولینڈ میں موجود کانسنٹریشن کیمپ میں بھیج دیا۔ وہاں این کی ماں مر گئی۔ بعد میں اس کی بہن اور این دونوں ٹائیفائڈ سے مر گئیں۔ جب جرمن ہٹے اور روسیوں نے اس علاقے کو قبضے میں لیا، تب این کی ڈائری ملی۔ اس کتاب کو ''دی ڈائری آف اے ینگ گرل'' کے عنوان سے چھاپا گیا اور اس کا پچاسوں زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس روزنامچے کو سب سے زیادہ مقبول ڈائریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ڈائری لکھنے کے کئی فوائد ہیں جنہیں نمبر وار ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا فائدہ: ڈائری لکھنے کا ایک بڑا فائدہ اپنا احتساب کرنا ہے۔ احتساب جسے ''محاسبۂ نفس'' بھی کہتے ہیں۔ یہ ہی وہ میزان ہے جس کی روشنی میں ایک بندۂ مومن اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔ کیوں کہ محاسبہ کے بعد ہی اسے یہ پتہ

چلتا ہے کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر کھڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنا وزن کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے اور قیامت کے دن بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ جس دن کوئی چھپنے والا تم میں سے کوئی چھپ نہیں سکے گا۔

دوسرا فائدہ: ڈائری لکھنے سے انسان کا ماضی گم نہیں ہوتا۔ بچپن یا ابتداءِ جوانی سے ڈائری لکھنے کا معمول بن جائے تو ابتدائی عمر کی لکھی گئی باتیں آخری عمر میں بھی ملاحظہ کی جائیں تو ڈائری واپس بچپن میں پہنچا دیتی ہے، اور اگر ''آپ بیتی'' لکھنے کا موقع آئے تو یہ ڈائری بھرپور معاونت کرتی ہے۔ اکابر کی ''آپ بیتیوں'' میں ڈائری وغیرہ کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ اسی طرح اگر سفر میں ڈائری، روزنامچہ کا معمول رہے تو سفرنامہ مرتب کرنے میں ڈائری مدد اور معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ سفرناموں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں شامل ہیں انہوں نے 1202ھ میں حرمین کا سفر کیا۔ واپسی پر تاریخ کے ساتھ ہر دن کے معمولات کو، حتی کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی عام سمجھی جانے والی باتیں بھی ذکر کیں کہ انہیں بغیر ڈائری کے لکھنا شاید ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح کئی سفرنامے ایسے بھی ہیں جنہیں سفر کے کئی سال بعد صرف ڈائری کی مدد سے لکھا گیا۔

تیسرا فائدہ: اپنے اندر آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں کئی واقعات رونما ہوتے ہیں جن کے ہمارے ذہن پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کچھ عرصے بعد ہمارا ذہن ایک مختلف سانچے میں ڈھل جاتا ہے جس کا ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا۔ اگر روز کے احوال لکھے جائیں اور کچھ عرصہ بعد ان مسودات کو دیکھا جائے تو ہم خود بھی حیران رہ جائیں گے کہ ہم میں کتنی تبدیلی آ چکی ہے۔ چوتھا فائدہ: بیسیوں سال پہلے لکھی گئی ڈائری تاریخی اعتبار سے مستند راوی کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ روایت ایک فرد کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے اور ایک معاشرے کے بارے میں بھی۔ اہم واقعہ کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے اور کسی سانحے کے متعلق بھی۔ اسی طرح اہلِ علم کی ڈائریاں حسین یادوں کے قیمتی موتیوں کو رلنے سے بچا لیتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب شہید رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری جس کا سلسلہ آج سے ستر، اسی سال پہلے شروع ہوا تھا۔ اس میں روزانہ کی بنیاد پر لکھی گئی باتیں انتہائی قیمتی ہیرے ہیں۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے ان کے بھتیجے لکھتے ہیں:

> ''عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزّہ و اقارب، اہل محلہ و گرد و پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری

۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں۔''

پانچواں فائدہ: مستقل ڈائری لکھنے والے کی تحریری صلاحیتوں میں دن بدن نکھار آتا چلا جاتا ہے۔مستقل ڈائری لکھنے والے کے لیے آئندہ زندگی میں تحریری میدان کے اندر کامیابیوں کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔صرف لکھنے کا طریقہ ہی نہیں بلکہ لکھنے کی وجہ سے مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔مطالعہ کے ذریعے آدمی کی فکر اور سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، دماغی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ڈائری لکھنے کے اور بھی بہت سارے فوائد ہیں۔ گزرتے دور کے ساتھ جو چیزیں انحطاط کا شکار ہوئیں ان میں سے ایک ڈائری لکھنا بھی ہے۔آج کل کی مصروف زندگی میں روزنامچہ لکھنا ایک امر محال بن چکا ہے۔شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اس روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہو۔ ان فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ڈائری لکھنے کی عادت بنانی چاہیے۔

ڈائری لکھنے کا طریقہ: ڈائری لکھنا جتنا مفید ہے اتنا ہی ''ہمت طلب'' بھی ہے۔ڈائری لکھنے کے لیے تسلسل اور مستقل مزاجی ضروری ہے۔اور محض روزمرہ معمولات کو ہی صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا ڈائری کا مقصدِ وحید نہیں ہوتا، بلکہ ان کے علاوہ کچھ دیگر چیزوں کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔مثال کے طور پر ڈائری نویس جس خطے، جس علاقے میں قیام پذیر ہو اُس کے سیاسی وسماجی اور ادبی پہلو بھی نمایاں ہوں اور دن کے اہم ترین واقعات، مصروفیات اور دیگر حوالوں کو بھی اجمالی انداز میں بیان کیا جائے تا کہ اُس کی پڑھت سے اندازہ لگایا جاسکے کہ ڈائری لکھنے والے نے کسی چیز یا واقعہ کو کس انداز اور کس زاویئے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح ڈائری لکھنے میں اس بات کا لحاظ ضرور کیا جائے کہ ایسی باتیں لکھنے سے گریز کیا جائے جنہیں دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے شرمندگی کا احساس ہو کیونکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ ورق آئندہ کسی دوسرے شخص کے پاس بھی پہنچ سکتے ہیں اور وہ ہمارے والدین بھی ہوسکتے ہیں اور اولاد بھی۔

آج تک ڈائری لکھنے کے لیے کاغذ کا استعمال ہوتا آیا ہے لیکن ہر چیز میں جدت کی طرح ڈائری لکھنے کے

طریقوں میں بھی جدت آ گئی ہے۔ابھی بھی ڈائری لکھنے کے لیے سب سے بہتر چیز کاغذ کی ڈائری ہی ہے لیکن اگر اس میں کسی کے لیے مشکل ہو تو اینڈرائیڈ موبائل کے لیے پلے اسٹور سے ڈائری کے نام سے ایپ بھی مل جاتی ہیں، جن میں ڈائری لکھی جاسکتی ہے اور اس میں اپنا ای میل ایڈریس سیٹ کرنے سے اس میں لکھی گئی تحریر کا بیک اپ بھی بن جاتا ہے جس سے موبائل گم یا تبدیل ہونے کی صورت میں لکھی گئی ڈائری ضائع نہیں ہوتی۔اس کے علاوہ کئی ویب سائٹ بھی موجود ہیں جہاں ہر روز ڈائری لکھنے کی سہولت موجود ہے اور ڈائری نہ لکھنے کی صورت میں یاد دہانی کے لیے ای میل بھی آ جاتی ہے لیکن اس جدید نظام میں ''پرائیویسی'' باقی نہیں رہتی۔ڈائری کا سب سے بہترین طریقہ تو وہی متوارث، کاغذ پر لکھنے والا طریقہ ''ہی'' ہے۔

مولانا ابن الحسن عباسی اس دور کے ادیبوں اور اعلیٰ نثر نگاروں میں ہیں

ان کی تحریروں سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے، ایک ایک جملے پر غائرانہ نظر ڈال کر انہیں اپنی زبانوں میں استعمال کیا ہے۔شیخوپور کے زمانے میں ان کے مضامین کا پہلا مجموعہ شائع ہوا تھا جس کا نام تھا ''التجائے مسافر'' حاجی بابو اور مولانا اعظمی کے تعلقات کی وجہ سے تقریباً ہر سال پڑوسی ملک سے کتابیں آتیں اور طلباء میں تقسیم ہوتیں اور دوسری کتابیں بھی مولانا اظہار قاسمی کے پاس برائے فروخت آتیں تو پڑھنے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔یہ کتاب بھی اسی وقت پڑھا تھا، اس کے مضامین ذہن پر نقش ہو کر رہ گئے۔اس کے بعد ابن الحسن عباسی صاحب کی جس قدر تصنیفات مل سکیں، پڑھ ڈالی۔وہ ہیں بھی کتنی......لیکن جو بھی ہیں اپنی خوبصورتی، رعنائی، شگفتگی اور دلآویزی کی وجہ سے ادبی صنف میں نثری شہ پاروں کے تاروں میں مہتاب کی حیثیت رکھتی ہیں کہ آدمی جب ان کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ کبھی خود کو شورش کی محفل میں تصور کرتا ہے، کبھی عامر عثمانی کے جہاں میں......کبھی اسے وہ تحریریں آزاد کی وادیاں معلوم ہوتی ہیں کبھی حالی و شبلی کے دبستان صدرنگ کی پر کیف فضا......کبھی ماہر القادری کا بانکپن محسوس ہوتا ہے تو کبھی دریابادی کے مخصوص لہجہ و اسلوب کا چمن زار دلنواز۔غرض انہوں نے تمام صف اول کے ادیبوں کے امتیازی اوصاف کو اپنی تحریروں میں نچوڑ کر ایک نئے اسلوب کی دریافت کی ہے، اور اس انفرادیت کا نقش قائم کرنے میں وہ اس قدر کامیاب ہیں کہ اچھے اچھے شہرت یافتہ ادیب و انشاپردازان کے اسلوب پر عش عش کرتے ہیں۔

ان کی تحریروں میں بھاری بھرکم الفاظ نہیں ہوتے ہیں، آزاد کی طرح پرشکوہ تعبیرات نہیں ہوتی ہیں، بلکہ وہ اپنے افکار و خیالات کو لفظوں کا وہی لباس عطا کرتے ہیں جو اپنی ذات میں بالکل سادہ ہوتے ہیں مگر جب وہ آپ کے جملوں میں داخل ہوتے ہیں تو انگوٹھی میں نگینے کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔قاری پہلی ہی نظر میں تحریر کی شگفتگی میں قید ہو جاتا ہے اور دریا کی طرح لفظوں کی موجوں میں بہتا چلا جاتا ہے، اور مطالعے کے سفر کے اختتام کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ قاری ہمیشہ کے لیے ان کے ساحرانہ اسلوب اور دلنشین طرز ادا میں مسحور و گرفتار ہو چکا ہے۔

(شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی، ممبئی انڈیا)

محبتوں کے نادر نمونے

مولانا محمد فہیم قاسمی گورکھپوری
استاذ جامعہ شیخ الہند انجان شہید اعظم گڑھ

میری جبینِ نیاز پر سجدے مچل گئے!.....کائنات عالم پر پانچ سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، دنیا سے آسمان کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، جس کے نتیجے میں انسانیت گمراہی اور ضلالت کی تاریک شاہراہ پر گامزن ہے، فسق و فجور اور شرک وخرافات کی ایسی گرم بازاری کہ خانہ خدا میں سینکڑوں بتوں کو معبود بنا کر پرستش کی جارہی ہے، تورات وزبور میں تحریف وردوبدل کی جاچکی ہے، دین ابراہیمی کو فراموش اور بھلا کر شیطانی مکر وفریب، اوہام وخیالات میں جکڑے ہوئے ہیں، جن کے نزدیک انسانی زندگی کا ختم کرنا چراغ کو پھونک مارنے کے مثل ہے، ہر ایک شراب کا عاشق اور انسانیت سے بیزار ہے، نیکیوں سے متنفر اور برائیوں سے قریب تر ہے، بچیاں باعث عار اور بت ان کے معبود وحاجت روا ہیں، جنگ ان کا محبوب مشغلہ، زناکاری ان کی عادت، ڈاکہ زنی ان کا شعار ہے۔ان کے درمیان چند نفوس ایسے ہیں، جو گوشہ تنہائی میں آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے حیّ القیوم سے کسی ایسے معجزے کے متمنی ہیں، جو آسمان اور دنیا کے منقطع ہوئے سلسلے کو جوڑنے والا ہو، جو ایسا ہو کہ ضلالت وگمراہی کے تاریک راستوں پر گامزن انسانیت کو ہدایت اور روشنی کے راستے کی طرف چلائے، جو زبور وتورات کی عظمتوں کو برقرار رکھتے ہوئے، شیطانی مکر وفریب اور اوہام و خیالات سے آزادی دلا کر پھر ان کو دینِ حنیف کے سامنے لاکھڑا کرے۔پھر خدا کی نظر کرم، گوشے میں بیٹھے چند نفوس ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم کے لئے صبح نو کی تمہید بنتی ہے، اللہ تعالی اپنے محبوب رسول کو اس دنیا اور آسمان کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو جوڑنے کے لیے اتارتا ہے، جو گمراہی اور ضلالت کے تاریک راستوں پر چلنے والے انسانوں کو شرک وبدعت، فسق وفجور، اوہام وخیالات کی دلدل سے نکال کر، انسانی معیار کی اس بلندی پر پہنچا تا ہے کہ زمین وآسمان ان کی عظمت وشرافت کے گن گانے لگتے ہیں جن وملک ان کے مرتبے اور عہدے پر رشک کرنے لگتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورم زدہ قدم مبارک کو دیکھ کر پوچھتی ہیں کہ میرے آقا! میرے مالک! جب اللہ تعالی نے آپ کو معصوم، سیئات سے پاک اور گناہوں سے محفوظ بنایا ہے اور انسانیت کے لئے رحمت بنایا ہے، تو پھر آپ اتنی تکلیف اور اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: عائشہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے، میں یتیمی کا داغ لے کر دنیا میں آیا، میں نے پہاڑوں پر بکریوں کی گلہ بانی کی، میں نے تجارت کے لئے شام تک کا سفر کیا اور جب اس رب نے مجھے فضیلت عطا کی، تو میرے اوپر اونٹ کی اوجھ رکھی گئی، راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ اپنی بستی سے جب الگ ہوا تو میرے پیچھے آوارہ بچوں کو لگا دیا گیا، جو مجھے پتھر مارتے اور پاگل اور دیوانہ کہتے، یہاں تک کہ میری جوتیاں خون سے بھر کر پاؤں سے چمٹ گئیں، مجھے خندق میں گرایا گیا، میرے دانتوں کو شہید کیا گیا۔ عائشہ! تم ہی بتاؤ، آج جب اس رب نے ان سب کو میرا ہمنوا بنا دیا، ایک تنہا انسان کے اطراف میں، انھیں انسانوں کو میرا عاشق بنا کر ایک بھیڑ جمع کر دی، جس خدا نے میرے نام کو اپنے نام کے ساتھ قیامت تک کے لئے ضم کر دیا، جس نے مجھے ذرے سے آفتاب بنا دیا، کیا میں اس خدا کا شکر ادا نہ کروں ؎

اس آستانہ ناز کا جب تذکرہ ہوا میری جبین نیاز پر سجدے مچل گئے

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے:......زید ابن دثنہؓ جن کا تعلق قبیلہ خزرج کی بیاضیہ شاخ سے ہے، بدر واحد میں شریک صحابی ہیں، قرآن وفقہ کے جاننے والے ہیں، دجل وفریب سے بئر معونہ کے معرکہ میں قبیلہ عضل وقارہ کے قیدی بن جاتے ہیں، جنھیں مکہ میں صفوان ابن امیہ کے ہاتھوں فروخت کیا جاتا ہے، جس کا ارادہ اپنے باپ کے قتل کے بدلہ میں انھیں قتل کرنے کا ہے، مقام تنعیم قتل گاہ قرار پاتی ہے، تماشائی اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے انتظار میں ہیں کہ ابوسفیان استفسار کرتا ہے، اے زید! سچ بتانا، کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو اپنے اہل وعیال کے درمیان میں آرام سے رہے، اور تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں؟ پھر ایک عاشقِ کامل کی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے: ''مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں ہوں ان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔'' جس نے ابوسفیان سے یہ مشہور، سچا اور تاریخی جملہ کہلوایا: **ما رأیت من الناس احدا یحب کحب اصحاب محمد محمدا** میں نے لوگوں میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو دوسروں سے ایسی محبت کرتے ہوں، جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کرتے ہیں، پھر اس برگزیدہ انسان کو حیات جاودانی نصیب ہو جاتی ہے، جہاں ان کو ان کے رب کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے ؎

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

قلب ونگاہ حسن کے سانچے میں ڈھل گئے!:......احد کے میدان میں کفر واسلام کے ماننے والے باہم دست و گریباں ہیں، اسلام کے ماننے والوں کی فتح یقینی بن چکی ہے، بلکہ ہو چکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''اس مقام سے مت ہٹنا'' کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کرنے والے شہید کر دیئے گئے ہیں۔ خالد بن ولید کے حملے سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو چکی ہے اور یقینی فتح شکست میں تبدیل ہونے لگتی ہے، کفار کے حملہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو چکے ہیں، میدان میں خبر پھیلتی ہے کہ حضور قتل کر دیئے گئے، حیرت واستعجاب کی

حالت میں ہتھیار اتار دیئے جاتے ہیں، ہمتیں پست ہوجاتی ہیں، جوش وولولہ ماند پڑ جاتا ہے، اب حضور ہی نہ رہے تو لڑنا کس کے لئے، پھر رزم گاہ حق و باطل میں حضور کے زندہ ہونے کی خبر مشہور ہوتی ہے، کفر کی پوری قوت اور سارا زور شمعِ نبوت کے گل کرنے کے درپہ ہے۔ چند نفوس ہیں، جو شمع نبوت کا ہالہ کئے ہوئے ہیں، اور کفر کے ہر زور اور ہر وار کے لئے اپنے کو سینہ سپر کئے ہوئے ہیں۔ زیاد بن السکن پانچ سات انصاری نوجوانوں کو لیکر ایک حصار کی طرح نبی رحمت کی حفاظت میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سمیت اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے راہی جنت ہوتے ہیں۔ ابو دجانہؓ و ابوطلحہؓ اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ڈھال بنائے ہوئے ہیں، تیر وتفنگ کے زخموں سے بدن چھلنی ہے۔ ابن قمیہ، جو آپ کے قتل کے درپہ ہے، اس کی تلوار کے وار ہاتھوں پر لیکر اپنی انگلیوں کو شہید کرا کر حضور کو محفوظ مقام پر پہنچاتے ہیں۔ بدقسمت اور بدنصیب ہیں وہ انسان، جنہوں نے اپنی طرف بھیجے گئے نبیوں اور رسولوں کو قتل کرنے کی کوشش کی یا قتل کیا، خوش قسمت اور نصیب والے ہیں وہ پاکیزہ نفوس، جنھوں نے اپنی جان دے کر نبی اور رسول کی حفاظت فرمائی۔ (الاصابہ: ج ۳/ص ۴۳۱)

کسی کو بچاتے ہوئے اپنی جان چلی جائے، جب کہ موت کا یقین نہ ہو ایسی مثالیں تو ملتی ہیں، لیکن جب موت سامنے ہو اور اپنی جان دے کر کسی کی حفاظت کرنا ہو، ایسی مثالیں یقینا نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں ؎

ان کا جمال دیکھ کے دیکھا جو اے نصیر | قلب ونگاہ حسن کے سانچے میں ڈھل گئے

میری جبین شوق میں سجدے مچل گئے!......خدائی وحدانیت نے پہلے پہل اپنے توحیدی آشیانے کے لئے جن روشن سینوں کا انتخاب کیا، نور محمدی نے پہلے پہل جن دل ودماغ کو اپنی ضیا پاشیوں کی آماج گاہ بنایا، دینِ اسلام نے پہلے پہل جن پر اپنی حقانیت کو ظاہر کیا اور ان کے قلب وجگر کو متاثر کر کے دامن اسلام کا باشی بنایا ان میں ایک نام ابوبکر صدیقؓ کا بھی ہے۔

یہ وہ مبارک ہستی ہے جو مشہور تاجر اور معاشیات کے ماہر، اور صائب الرائے ایسے کہ ان کے مشوروں کو تمام کے مشوروں پر فوقیت دی جائے، انسانوں کے انساب کے ساتھ ساتھ جانوروں کے انساب میں فائق، کفر کے ویرانے میں صداقت وامانت، اخلاق وعظمت کے روشن مینار، جن کی راست بازی اور خدمتِ خلق نے غیر مذہب کو اپنے ہی مذہب والوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جو پرندوں کی چہچہاہٹ سن کر اور درختوں کی ہریالی اور تنکے کی بے سروسامانی دیکھ کر کہتا کاش میں تمہاری طرح ہوتا، جن سے قیامت کے دن کوئی استفسار نہ ہوگا، جو اپنے خاص ساتھی کی کسی معمولی گفتگو سے خود کو مجرم گردانتے ہوئے اپنے محبوب کے پاس حاضر ہوتا ہو اور محبوب کے تیور بدل جاتے ہوں، محبوب کی زبان پاک سے الفاظ اس طرح جاری ہوتے ہوں جیسے ایک شخص کے احسان عظیم کو شمار کرایا جارہا ہو، کیوں نہ کرایا جاتا جب وہ ہستی تھی ہی ایسی اس کی شخصیت زبانِ نبوت سے اجاگر کی جاتی، اور کیوں نہ اجاگر کرائی جاتی یہ ضروری تھا کہ اس ہستی کی عظمت کو ظاہر کیا جائے اور اس کے مرتبہ کو آشکارا کیا جائے، وہ اس وجہ سے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سقیفہ میں اس

ہستی کے ہاتھ پر بیعت ہوجانا اور اس ہستی کا امامت نبوی کے لئے قبول کر لینا، مانعینِ زکوۃ سے قتال کے لئے تیار ہو جانا، حضرت عمرؓ کا وفاتِ نبوی پر رام ہوجانا، قرآن کو مکتوب کی شکل میں جمع کرنے پر اسی ہستی کی رائے پر سب کا متفق ہوجانا ممکنات میں سے نہیں بلکہ ناممکنات میں سے تھا۔ اس شخص کے متعلق تمہیں شکایت ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے اور تمہیں معلوم بھی ہوگا، یہ وہ ہستی ہے جب تم نے میری آواز کو نکارا تو اس نے اقرار کیا، جب تم نے میرا ناطقہ بند کر دیا، تو اس نے اپنا مال و دولت مجھ پر نثار کر دیا، یہاں تک کہ جب تم میری دشمنی میں انتہاء تک پہنچ گئے اور میری جان لینی چاہی، تو یہ میرا رفیق سفر اور غار کا ساتھی بنا، کیا تم مجھ سے میرا یہ ساتھی بھی چھین لینا چاہتے ہو، ایک دوسرے موقع پر زبانِ نبوت اس ہستی کے بارے یوں گویا ہوئی: میں نے تم لوگوں میں سب کے احسان کا بدلہ اتار دیا سوائے ابوبکرؓ کے، جن کے احسان کا بدلہ قیامت میں رب ہی اتارے گا، جس نے ایک معصوم بچی کے اس خوف وفکر کو کہ خلیفہ بننے کے بعد اب اس کی بکریوں کا دودھ کون نکالے گا، یہ کہہ کر دور کر دیا ہو کہ بیٹی! میں اب بھی تیری بکریوں کا دودھ نکال دیا کروں گا، جس کی چار پشتوں کو صحابیت جیسے عظیم مرتبہ نے طرۂ امتیاز بخشا ہو۔

وہ پہلا مددگار، پہلا صحابی نبی نے جسے ہر قدم پر دعا دی
وہ افضل بشر بعد از انبیاء ہے وہ جان صداقت وہ جان وفا ہے

شیر خدا حضرت علیؓ نے سر منبر یہ سوال کیا بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ بتانے والے نے جواباً کہا، باب خیبر کو آپ نے اکھاڑا اور اس کو فتح کیا، آپ سے جس نے مقابلہ کیا وہ زیر ہوا (اسی طرح کی باتیں جنگ صفین کے موقع پر ہوئیں جب دو بزرگوں کی فوجیں آمنے سامنے مقابلہ کے لئے حکم کے انتظار میں ہیں، کسی نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ آپ بزرگوں نے ہمیں کہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے، ایسا کیوں نہ کریں دونوں لوگ آپس میں لڑ کر حق و ناحق کا فیصلہ کر لیں اور کسی ایک کی ہاتھ پر ہم بیعت ہوجائیں، حضرت معاویہؓ نے جواباً فرمایا کیا تم مجھے قتل کرانا چاہتے ہو، تمہیں معلوم نہیں، جو بھی حضرت علیؓ کے مقابلہ پر آیا اور ان کا سامنا کیا، پچھاڑا گیا اور قتل کیا گیا) سب سے زیادہ بہادر تو آپ ہیں، حضرت علیؓ فرمانے لگے، بخدا کفار حضور کو مار رہے تھے مجھے اور کسی کو دفاع کی جرأت نہ ہوئی میں نے دیکھا ابوبکر آئے کسی کو ادھر چپت رسید کی کسی کو ادھر اور فرمانے لگے کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے، بخدا شجاع اور بہادر تو ابوبکر تھےؓ۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے والوں کی تعداد کم سے کم تر ہے، اور سب کمزور و ناتواں ہیں، لیکن دل خدا کی عظمت سے معمور ارادے پتھر کی طرح مضبوط ہیں، جن کی آرزو اور تمنا ہے کہ علی الاعلان دین اسلام کی تبلیغ کی جائے ہزاروں معبودوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے والوں کو کائنات کے خالق کے سامنے جھکایا جائے، اس کی تکمیل کے لئے حضور سے اجازت لی جاتی ہے، کئی مرتبہ کی کوششوں کے بعد اجازت کو قبولیت نصیب ہوتی ہے۔ صحن حرم میں کفار کا

مجمع ہے، ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوتے ہیں، اور خدا کی وحدانیت اور رسول کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر فصیح وبلیغ پہلا خطبہ پڑھا جاتا ہے، مگر وہ قوم جو قاتل کے نام کا قلادہ سالوں تک گلے میں پہن کر یاد کرتے آرہے ہوں، وہ اپنے معبودوں کی تکذیب اور اور ان کو بھلانے کی باتوں کو کہاں برداشت کرنے والے تھے، الٹ کر حملہ آور ہوتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ناک چہرے سے اکھڑنے کے قریب ہے، بیہوشی کی حالت میں گھر لائے جاتے ہیں، قبیلہ تمیم کے لوگ عتبہ کے قتل کی قسم کھا چکے ہیں، افاقہ کے بعد ماں آنکھوں میں سمندر لیے ہوئے کھانا کھلانا چاہتی ہیں، تو آواز آتی ہے حضور کیسے ہیں، کہاں ہیں؟ اتنا سننا تھا قبیلہ کے لوگ واپس گھروں کی راہ لیتے ہیں، ماں اور بیٹے میں کھانا کھلانے اور حضور کے متعلق کشمکش جاری ہے، ہر ماں کی طرح یہ ماں بھی بیٹے کی ضد کے آگے اپنے آپ کو ہار جاتی ہے۔ ایک ساتھی عورت کے ساتھ سہارا دے کر ارقم بن ارقم کے گھر پہنچاتی ہیں، حضور دیکھتے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں، آنکھوں سے اشک جاری ہوتے ہیں، اسی رندھی ہوئی آواز میں فرماتے ہیں، اے اللہ کے نبی یہ میری ضعیف ماں ہے جو ابھی تک ردائے رحمت اور خدا کی آشنائی سے محروم ہے، انھیں خدا سے آشنا کرادیجئے۔

رب کی طرف سے ہجرت جیسے عظیم کام کا حکم ہو چکا ہے، سفر کے لئے جس ساتھی اور رفیقِ راہ پر نظر پڑتی ہے یہی عظیم ہستی ہے، سفر جاری ہے اور کفار کے دیکھ لینے کا خوف بھی ہے، غارِ ثور کو چھپنے اور آرام کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے، وہ ہستی جو انسانیت کی پناہ بن کر دنیا میں بھیجی گئی دنیا کے لوگوں نے اسے ہی پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ حضور کے آرام کا انتظام کیا جارہا ہے، غار کے سوراخوں کو اپنے کپڑے کو چاک کر کے بند کیا جارہا ہے، ایک سوراخ کے بند کرنے کے لئے کپڑا نہیں ہے، اس پر اپنا انگوٹھا رکھ دیا جاتا ہے۔ حضور آرام سے سوئے ہوئے ہیں، دفعتاً صدیقِ اکبر انگوٹھے میں کسی موذی جانور کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں، حضور کے آرام کا بھی خیال ہے، درد ہے جو بڑھتا جاتا ہے، آنکھیں یہاں بھی اپنی عادت اور فطرت کے مطابق وفا نہ کرسکیں، اور حضور کے رخسارِ انور پر آنسو ٹپک پڑتے ہیں، حضور بیدار ہوتے ہیں، ابوبکر کیا ہوا سوال کیا جاتا ہے، سوراخ سے انگوٹھا نکالا جاتا ہے، لعاب دہن لگایا جاتا ہے، اور اس تکلیف سے نجات پائی جاتی ہے۔ ان عظیم انسانوں کے ان کارناموں کو اگر ''محبت کا نادر نمونہ'' کا عنوان نہ دیا جائے اور نہ لکھا جائے، تو محبت میں اور کیا کیا جائے کہ اسے نادر سمجھا اور لکھا جائے۔

☆......☆......☆

چچا جی

محترم سعود عثمانی

[شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پر بروز جمعہ ۲۲ مارچ ۲۰۱۹ء قاتلانہ حملہ ہوا، جس میں حضرت محفوظ رہے۔ اس موقع پر آپ کے بھتیجے جناب سعود عثمانی صاحب نے ایک کالم لکھا۔ جو نذر قارئین ہے۔ ادارہ]

بے شمار تعظیمی اور تکریمی القابات کے ساتھ ان کا نام لکھنے، انہیں بلانے اور یاد کرنے والے تو بلاشبہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ انہیں چند لمحوں کے لیے قریب سے دیکھنے، مصافحہ کرنے اور چند جملوں کی بات کر لینے کی خواہش رکھنے والے بھی ان گنت ہیں۔ دور سے ایک نظر دیکھنے کے آرزومند بھی بہتیرے ہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جنہوں نے بچپن سے آج تک انہیں قریب سے دیکھا، سنا اور ان سے سیکھا۔ کتنے لوگ ہیں جو انہیں چچا جان اور چچا جی کے زبان پر مٹھاس چھوڑتے اور کانوں میں رس گھولتے الفاظ سے بلانے اور یاد کرنے کے حق دار ہیں۔ گنتی کے چند لوگ۔ اور یہ کتنا بڑا اشرف ہے کہ سعود عثمانی انہی چند گنے چنے لوگوں میں شامل ہے۔

کوئی مقام ایسا ہوتا ہے کہ تمام محبت، عقیدت، احترام، کے ممکنہ لفظ مقدور بھر استعمال کیے جائیں تب بھی یہ لفظ رسمی اور بے جان سے لگتے ہیں۔ کوئی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے لیے آئیڈیل، رہنما اور استاد کے الفاظ کہہ دینے کے بعد بھی وہ بات بیان نہیں ہو پاتی جو دل میں ہوتی ہے۔ لفظوں کی اپنی حدود اور اپنی استطاعت ہے۔ اگر معنی کا بارِ گراں ان کی ہمت سے زیادہ ہو تو اظہار کا راستہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ مجھے اپنے چچا جان مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی کے بارے میں کچھ بھی کہتے ہوئے اور لکھتے ہوئے ہمیشہ ایسا ہی لگا ہے کہ میرا اظہار کا ہر ایک راستہ بند ہے۔

جمعہ 22 فروری کے چند گھنٹے قیامت کے تھے۔ میں جمعہ کی نماز پڑھ کر دفتر آیا ہی تھا کہ ٹی وی پر کراچی میں دو گاڑیوں پر فائرنگ کے ٹکرز چلنے شروع ہوئے۔ جیسے ہی دارالعلوم کورنگی کا نام آنا شروع ہوا، گھبراہٹ شروع ہوگئی۔ اس وقت تک عم مکرم کا نام سکرینوں پر نہیں آیا تھا۔ دل حلق میں اٹکا ہوا تھا۔ فوراً ہی عزیزوں سے رابطہ کیا۔ خدا خوش رکھے میرے ہم عمر چچا زاد بھائی، اور بہنوئی خلیل اشرف عثمانی کو، کہ اس افراتفری اور ہنگامے کے وقت میں بھی انہوں

نے فون اٹھالیا۔خلیل کی بیٹی چچاتقی صاحب کی بہو بھی ہے۔وہ اس وقت تک لیاقت نیشنل ہسپتال پہنچ چکے تھے اور چچا کے ساتھ ہی تھے۔انہوں نے یہ تو اطمینان دلا دیا کہ چچا بھی بالکل خیریت سے ہیں اور چچی اور بچے بھی۔لیکن تفصیل کا موقعہ تھا ہی نہیں۔بعد میں ان سے اور کئی دیگر عزیزوں سے تفصیلات معلوم ہوتی رہیں۔ چچا جان سے محبت کرنے والے، ہر ملک، ہر زبان، اور ہر نسل میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔اور ایسی ہر دل عزیز شخصیت کے بارے میں لوگوں کی پریشانی فطری تھی۔ بہت امکان تھا کہ افواہیں پھیلنی شروع ہوجائیں اور صحیح صورت حال علم میں نہ آئے چنانچہ میں نے ابتدائی معلومات حاصل کرتے ہی فیس بک پر اس واقعے اور چچا جان کی خیریت کا احوال (سٹیٹس) لکھ دیا۔اس کا یقینا بہت فائدہ ہوا۔اور ہزاروں لوگ اس سے باخبر ہوئے۔لیکن جیسے جیسے لوگوں کو اطلاع ملتی گئی،فون کالز اور پیغامات کا تانتا بندھ گیا۔

ملک نے خاص طور پر کراچی نے بدامنی،قتل وغارت اور غنڈہ گردی کا ایک طویل دور دیکھا ہے۔کتنے ہی علماء، اور قیمتی جانیں اس بھیانک دور کی نذر ہوئی ہیں۔ہمیں بھی ہر لمحہ اپنے پیارے چچاؤں مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کی فکر رہتی تھی۔ان اندیشوں کے سائے اس لیے مزید گہرے ہوجاتے تھے کہ یہ علم میں آتا رہتا تھا کہ انہیں مختلف گروہوں کی طرف سے قاتلانہ دھمکیوں کا سامنا ہے۔ایجنسیز بھی اس کی تصدیق کرتی تھیں اور محتاط رہنے کے مشورے دیتی تھیں۔لوگ جانتے ہیں کہ یہ حضرات کتنی متوازن فکر،کیسی اصابت رائے اور کیسی غیر جذباتی سوچ رکھتے ہیں۔نمود ونمائش کبھی ان کا مسئلہ نہیں رہا۔اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر پاکستان اور ملت کی خیر خواہی، امت مسلمہ کا اجتماعی مفاد اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد اس خانوادے کا ہمیشہ سے طرز عمل ہے اور ان مقاصد کے لیے اس کی قربانیاں بھی ان گنت ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ حق گوئی، بے خوف، بے خوشامد طرزِ زندگی بھی اس کا شعار رہا ہے۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں یہ حضرات ڈٹ کر بات کرتے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متعصب ذہن اور پاکستان دشمن فکر نے انہیں ہمیشہ اپنے لیے خطرہ سمجھا ہے۔ چنانچہ مختلف جہات سے خطرہ قابل فہم ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لیے آبائی وطن سے ان کی ہجرت، پاکستان سے ان کی محبت، قیام پاکستان میں ان کی جدو جہد اور تعمیر پاکستان میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔ یہ بات پاکستان کے لیے کم فخر کی بات نہیں ہے کہ امت مسلمہ کی مؤثر ترین شخصیات میں مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی کا نام ابتدائی چند ناموں میں آتا ہے۔اہل عرب ان کے دیوانے ہیں اور مسلم دنیا میں ہر ایک کی نظر انہی کی طرف اٹھتی ہے۔ چنانچہ ملک دشمنوں اور اسلام دشمنوں کی نظر میں وہ ہمیشہ کھٹکتے رہے ہیں۔

چچا جان (اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور سلامتی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔آمین) نماز جمعہ گلشن اقبال کراچی کی بڑی

جامع مسجد بیت المکرم میں پڑھاتے ہیں ۔ یہ سال ہا سال کا معمول ہے۔ یہ بلاشبہ کراچی میں نماز جمعہ کے بڑے اجتماعات میں سے ایک ہوتا ہے۔گلشن اقبال میں چچا جان کی صاحبزادی کا گھر بھی ہے۔ چنانچہ بہت بار چچی جان اور گھر کے بچے بھی چچا کے ساتھ ان سے ملنے چلے جاتے ہیں۔اس دن بھی ایسا ہی تھا۔ان کا دیرینہ اور جاں نثار ڈرائیور حبیب گاڑی چلا رہا تھا اور سرکاری محافظ فاروق اس کے ساتھ اگلی نشست پر تھا۔دوسری گاڑی میں دارالعلوم کا دیرینہ خدمت گار محافظ صنوبر اور ڈرائیور عمر شہاب موجود تھے۔اس گاڑی پر فائرنگ ہوئی۔محافظ صنوبر شہید ہو گیا اور عمر شہاب شدید زخمی ہو گیا۔راشد منہاس روڈ پر پل کے نیچے چچا جان کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ ہوئی۔ایک گولی محافظ کو اور ایک گولی ڈرائیور حبیب کے بازو پر لگی لیکن وہ زخمی ہو جانے کے باوجود گاڑی بھگاتا رہا۔حملہ آور دور نکل گئے لیکن انہیں اندازہ ہوا کہ اصل ہدف ابھی محفوظ ہے چنانچہ وہ دوبارہ پلٹ کر آئے اور دوبارہ گولیاں برسائیں۔اس بار حبیب کے شانے پر گولی لگی اور بازو ناکارہ ہو گیا۔جس طرف چچا جان بیٹھے تھے اس دروازے پر بھی گولی لگی اور آر پار ہو گئی ۔حبیب کی ہمت اور بہادری پر آفرین ہے کہ وہ اسی حالت میں گاڑی چلاتا رہا۔چچا جان نے اس سے کہا کہ تم اتر جاؤ گاڑی میں چلاتا ہوں۔لیکن اس نے کہا کہ آپ ہرگز باہر نہ نکلیں اور میری فکر نہ کریں۔ بہتے خون اور ایک بازو کے ساتھ وہ نیپا چورنگی سے گاڑی چلا کر لیاقت نیشنل ہسپتال تک لایا۔محافظ اس سے پہلے ہی جاں بحق ہو چکا تھا۔شیشے کے کچھ ٹکڑے چچی جان اور بچے کو لگے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ کوئی بڑا زخم نہیں آیا۔اسے معجزہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ پچھلی نشست کے سب افراد محفوظ رہے۔

سرکاری طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ اس واقعے میں غیر ملکی ایجنسیوں کے ملوث ہونے کا کافی امکان ہے۔ یہ بات درست لگتی ہے۔پچھلے دنوں پاک بھارت کشیدگی اور 27 فروری کے فضائی معرکے کے بعد ٹویٹس میں چچا جان نے کھل کر افواج پاکستان کو سراہا تھا اور بھارت کی سخت مذمت کی تھی۔ پھر اس واقعے کی ٹائمنگ اہم ہے جب غیر ملکی مہمان آئے ہوئے ہیں اور 23 مارچ کی تقریبات ہونے والی تھیں۔

درست صورت حال تو کچھ وقت کے بعد ہی سامنے آئے گی۔لیکن یہ مجھے مذہبی اور نظریاتی عدم برداشت کی کارروائی نہیں لگتی۔اگرچہ اس واقعے کو یہی لیبل لگا کر اس سے مذہب کو مطعون اور ذمے دار ٹھہرانے کا مقصد حاصل کرنے والے بھی اپنے کام میں لگ گئے ہیں۔میں اس گھٹیا اور بدبودار سوچ کی سخت مذمت کرتا ہوں جو مسلمانوں میں عدم برداشت کا رونا رو کر دراصل عدم برداشت ظاہر کرتے ہیں۔یہ اختلاف کی بظاہر نفی کر کے دراصل اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش ہوتی ہے۔

بے بہا زمین ہو، قیمتی نظریات ہوں یا ہیرے جیسے اشخاص۔ان اثاثوں کی حفاظت ہمیں کرنی ہے۔کیا ہم یہ کام کر رہے ہیں؟، کیا آپ یہ کام کر رہے ہیں؟

ماہِ رواں

ماہ شعبان کے فضائل واحکام

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ

یہ ماہ مبارک مقدمہ ہے رمضان شریف کا، جیسا کہ ماہ شوال تتمہ ہے رمضان کا۔ قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے: حم والکتٰب المبین ، انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین ، فیھا یفرق کل امر حکیم ، امرًا من عندنا انا کنا مرسلین

"قسم ہے کتاب واضح کی کہ ہم نے اس (کتاب) کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، بے شک ہم آگاہ کرنے والے ہیں، ایسی رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے، بیشک ہم (آپ کو) پیغمبر بنانے والے ہیں۔"

اس آیت میں برکت والی رات سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے۔ پس اس آیت سے اس ماہ کی اور خاص کر پندرہویں رات کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوگئی اور اس ماہ کے متعلق شریعت مقدسہ کے چند احکام ثابت ہوئے ہیں: (۱)......اس کے چاند کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ (۲)...... پندرہویں شب کو عبادت کرنا اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ (۳)......نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (۴)......یوم شک میں روزہ رکھنا منع ہے۔ یہ سب احکام احادیث میں صراحۃً موجود ہیں۔ مختصر طور پر کچھ درج کئے جاتے ہیں:

(۱)......ارشاد فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شمار رکھو شعبان کے چاند کی رمضان کے لئے" (یعنی جب ماہ شعبان کی تاریخ صحیح ہوگی تو رمضان میں اختلاف کم ہوگا)۔ (ترمذی)

(۲)......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ کسی ماہ (کے چاند) کا اتنا خیال نہ فرماتے تھے۔ (ابوداوٗد) ان دو روایتوں سے قولاً وفعلاً اس ماہ کے چاند کا اہتمام ثابت ہوگیا۔

(۳)......ارشاد فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "جب آدھے شعبان کی (یعنی پندرہویں) رات ہو تو اس رات کو شب بیداری کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب کے وقت ہی سے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخشش دوں، کیا کوئی روزی مانگنے والا

ہے کہ میں اس کو روزی دوں، کیا کوئی مصیبت زدہ ہے (کہ عافیت کی دعا مانگے اور) میں اس کو عافیت دوں، کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟......(رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے) یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے‘‘۔(ابن ماجہ)

(۴)......حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ میں نے اس رات (نفل) نماز کے سجدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

’’أَعُوذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَأَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ لَاأُحْصِي ثَنَاءَعَلَیکَ أَنْتَ کَمَاأَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ‘‘۔(البیھقي والنسائي)

’’تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عقاب سے تیرے درگزر کرنے کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، برتر ہے تو، میں تیری تعریف پوری نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے۔‘‘

پھر جب صبح ہوئی تو میں نے اس دعا کا آپ سے ذکر کیا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اے عائشہ! اس کو سیکھ لے اور دوسروں کو بھی سکھادے کیونکہ یہ دعا جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو سکھائی ہے اور کہا ہے کہ اسے سجدہ میں بار بار پڑھوں۔‘‘

حدیث سوم سے اس رات کی اور اس میں عبادت کرنے کی نیز روزہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور حدیث چہارم سے ایک خاص دعا معلوم ہوگئی اور روایت مذکورہ کے علاوہ اور روایات بھی اس شب مبارک کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ’’اس رات میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لئے جاتے ہیں جو اس سال پیدا ہوں گے اور اسی میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لئے جاتے ہیں جو اس سال میں مریں گے اور اسی رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں‘‘۔(بیہقی)

(۶)......ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ’’اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کی پندرہویں رات میں، پس مغفرت فرمادیتا ہے سب مخلوق کی، مگر شرک اور کینہ والے شخص کے لئے (مغفرت نہیں فرماتا)‘‘۔(ابن ماجہ)

ایک اور روایت میں ہے: ’’مگر دو شخص، ایک کینہ رکھنے والا اور ایک قتل ناحق کرنے والا‘‘۔ایک اور روایت میں ہے: ’’قطع رحمی کرنے والا‘‘۔اور ایک روایت میں ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ نظر (رحمت) نہیں کرتا ہے اس رات میں (بھی) مشرک کی طرف اور نہ کینہ والے کی طرف اور نہ قاطع رحم (یعنی رشتہ ناتہ والوں سے بلاوجہ شرعی تعلق توڑنے والے) کی طرف اور نہ پائجامہ (وغیرہ) ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی طرف اور نہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف‘‘ (البتہ اگر کوئی توبہ کرچکا ہے تو رحمت خداوندی اس پر بھی متوجہ ہوجاتی ہے)۔

ان کے علاوہ اور گناہ گاروں پر بھی نظر رحمت نہ ہونا دوسری روایتوں میں آیا ہے، پس سب گناہوں سے توبہ کرنا

چاہیے۔سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ کبائر بدوں توبہ معاف نہیں ہوتے اور صغائر سب اس رات کی برکت سے حق تعالیٰ معاف کردیتا ہے۔واللہ اعلم

(۷)......ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس رات میں) کلب قبیلے کی بکریوں کے عدد سے بھی زیادہ (لوگوں) کی مغفرت فرمادیتا ہے۔ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اتنی کثیر تعداد میں ایسے ہوتے جو (ارتکاب معاصی کے سبب) عذاب جہنم کے مستحق ہوچکے ہیں۔

(۸)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب شعبان آدھا ہوجائے تو روزہ نہ رکھو''۔(ابوداود)

(۹)......حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ روزہ رکھتے ہوئے کسی ماہ میں نہیں دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ (کل) ماہ شعبان میں روزہ رکھتے تھے، سوائے تھوڑے دنوں کے۔(متفق علیہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے نصف اخیر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور اس سے پہلی روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے، اس لئے یوں کہا جائے کہ امت کے واسطے تو نصف اخیر کے روزے خلاف اولیٰ ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ تھے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو نصف اخیر میں روزے رکھ کر ضعف ہوجائے کہ رمضان کے روزے رکھنا دشوار ہوں اس کے لئے ممانعت ہے اور جس کو ضعف نہ ہو، اس کے واسطے نہیں۔واللہ اعلم

(۱۰)......ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص رمضان کے ایک یا دو دن پہلے سے روزہ نہ رکھے، مگر یہ کہ وہ شخص کسی (خاص) دن کا روزہ رکھا کرتا ہو'' (اور رمضان کے ایک دن پہلے وہ دن ہو، مثلاً ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول ہے اور ۲۹ شعبان کو پیر کا دن ہے) تو وہ شخص اس دن بھی (نفل) روزہ رکھ لے۔(متفق علیہ)

اس سے یوم شک کے روزہ کی ممانعت ثابت ہوگئی اور ایک یا دو دن کا یہ مطلب ہے کہ بعض مرتبہ تو شعبان کا چاند بلا اختلاف نظر آجاتا ہے، ایسے موقع پر صرف ۳۰ شعبان کے متعلق شبہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ شعبان میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے۔اس موقع پر ۲۹ کو بھی شبہ ہوتا ہے۔غرض یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے نہ ۲۹ کو روزہ نہ ۳۰ کو بلکہ جب شریعت کے مطابق ثابت ہوجائے تب رمضان کو شروع سمجھا جائے، البتہ یوم شک میں یہ مستحب ہے کہ ضحوۂ کبریٰ تک خبر کا انتظار کیا جائے۔اگر کہیں سے معتبر شہادت آجائے تو روزہ کی نیت کرلے ورنہ کھاپی لے۔

تتمہ عالمگیری میں تصریح ہے کہ شب برأت کو قبرستان میں جانا دوسرے اوقات میں جانے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اس لئے اس رات کو قبرستان میں جاکر مومنین اور مومنات کے واسطے دعا مانگنی چاہیے۔

اس مبارک رات میں صرف دو تین باتیں ثابت ہیں، عبادت کرنا اور قبرستان میں جاکر دعائے مغفرت کرنا۔اس کے علاوہ شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا، حتیٰ کہ اس رات کو ایصال ثواب وغیرہ کی بھی کوئی اصل نہیں۔

جامعہ کی سرگرمیاں

شعبہ تخصص فی الافتاء کا تعارف

دفتر تعلیمات جامعہ

الحمدللہ!......جامعہ تراث الاسلام کراچی گزشتہ 12 سالوں سے درجہ تخصص فی الافتاء کے شرکاء کی خدمت کے لیے کوشاں ہے اور جامعہ سے فارغ التحصیل علماء کرام مختلف مدارس میں دین کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔طلباء کرام کی استعداد، وقت کی قلت اور عصر حاضر کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے تخصص فی الافتاء کے نصاب میں فقہی ذوق پیدا کرنے کیلئے غیر معمولی تبدیلی کی گئی، جس کے بہتر نتائج حاصل ہوئے۔عمومی طور پر تمرین میں پیش آمدہ مسائل کے حل پر زیادہ توجہ دی گئی اور اسی طرح مضبوط استعداد کے لئے مطالعہ کا بہترین نظم تشکیل دیا گیا۔اچھی تحریر کا مستقل ذوق پیدا کرنے کیلئے مختلف لیکچرز کا اہتمام کیا گیا۔ ہر سہ ماہی کا نصاب اور تمرین کی مطلوبہ تعداد کو بروقت مکمل کیا گیا۔نصاب میں ذکر کردہ تمام کتب اور تمرین کا ہر سہ ماہی کے اختتام پر امتحان لیا گیا جس میں طلباء نے اچھے نتائج حاصل کیے اور جامع کی سطح پر نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں۔مکمل سال میں تعلیمی سرگرمیوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

نصاب برائے یک سالہ تخصص فی الافتاء

پہلی سہ ماہی

تدریس	❶ امداد الفتاویٰ (جلد ۳) ❷ اصول الافتاء وآدابہ ❸ الاشباہ والنظائر ❹ مقدمہ شامی
مطالعہ	❶ الدر المختار مع الشامی (کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ۔منتخبات) ❷ کفایت المفتی (جلد ا) ❸ فتاویٰ عثمانی (جلد ۳) ❹ فتاویٰ دار العلوم دیوبند (جلد ا) ❺ اسلام وکفر قرآن کی روشنی میں ❻ وحدت امت
تمرین	۳۰ فتاویٰ
شارٹ کورس	❶ مضمون نگاری ❷ قربانی کے مسائل

دوسری سہ ماہی

تدریس	❶ الاشباہ والنظائر	❷ بحوث قضایا فقہیہ معاصرۃ ,فقہ البیوع ❸ السراجی

مطالعہ	❶ الدر المختار مع الشامی (کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم، کتاب النکاح۔ منتخبات) ❷ امداد الاحکام (جلد ۲) ❸ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (جلد ۳) ❹ رؤیت ہلال ❺ آسان فلکیات
تمرین	۵۰ فتاوی
شارٹ کورس	❶ ٹائم منیجمنٹ ❷ تکافل کورس ❸ مالیاتی اداروں کی شرعی رہنمائی ❹ فہم فلکیات ❺ نماز کا عملی طریقہ

تیسری سہ ماہی

تدریس	❶ الاشباہ والنظائر ❷ المعاییر الشرعیہ ❸ انگریزی
مطالعہ	❶ الدر المختار مع الشامی (کتاب البیوع، کتاب الحظر والاباحۃ، منتخبات) ❷ فتاویٰ محمودیہ (کتاب الوقف، الحظر والاباحۃ) ❸ مسئلہ سود
تمرین	❶ ۲۰ تخریجات ❷ مختصر تحقیقی مقالہ (۴۰ تا ۵۰ صفحات)
شارٹ کورس	❶ بینکاری کورس ❷ عمرہ کا طریقہ ❸ تقابل ادیان ❹ جدید عربی کورس

پہلی سہ ماہی:......نصاب ترتیب دیتے وقت ہر سہ ماہی میں بنیادی طور پر تین چیزوں کو مدنظر رکھا گیا تھا، ذیل میں اسی ترتیب سے تعلیمی سرگرمیاں ذکر کی جاتی ہیں:

تدریس......پہلی سہ ماہی میں چونکہ طلباء درسِ نظامی سے مطالعہ، تکرار اور سبق کا ایک خاص مزاج کے حامل ہوتے ہیں اور فتویٰ یا فقہ پر مہارت حاصل کرنا اس مزاج سے سراسر مختلف ہے اس لئے پہلی سہ ماہی میں چند فقہی کتابوں کی تدریس کو بطورِ خاص درسِ نظامی کے انداز سے یکسر مختلف پڑھایا گیا۔

❶......امہات الفتاویٰ میں خاص فقہی مزاج سے بھرپور حضرت تھانویؒ کے ''امداد الفتاوی'' کو درساً پڑھایا گیا۔ ''امداد الفتاویٰ'' میں بھی چونکہ معرکۃ الآراء حصہ کتاب البیوع ہے جس کو عموماً حضراتِ اکابر بھی درساً پڑھاتے تھے اس لئے کتاب البیوع کے ابتدائی مسائل اس طرز پڑھائے گئے کہ کتاب میں ذکر کردہ فقہی اصولوں پر بعد میں آنے والے فقہاء کی تفصیلات کی روشنی میں مطالعہ کروایا گیا۔ جیسے جہاں امداد الفتاویٰ میں ''محلے کے دوکاندار سے ایک عرصے تک اشیاءِ خورد ونوش لیتے رہنا اور پھر یکمشت قیمت دے دینے کا مسئلہ'' آیا تو اسی کی روشنی میں لکھا گیا حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا تحقیقی مقالہ ''بیع الاستجرار'' کا تفصیلی مطالعہ بھی کروادیا گیا۔ اس کوشش سے قدیم پیچیدہ مسائل کو عصرِ حاضر کی صورتوں پر انطباق کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں مدد ملی۔ اسی طرح مختلف مقامات پر مختلف مسائل جیسے ''خیارات'' وغیرہ کا مطالعہ فقہ کے متون وشروح سے جزئیات ڈھونڈ کر نکالنے کی صورت

میں کروایا گیا جس سے مقصود فقہی ذوق اور فقہی کتب سے مناسبت پیدا کرنا تھا۔

❷......فتویٰ کے اصول وآداب سے بہرہ ور ہوئے بغیر فتویٰ کا کام ناممکن ہے، چنانچہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر اصول وآداب کی آسان کتاب ''اصول الافتاء وآدابہ'' کو درساً پڑھایا گیا اور مختلف اصولوں کو مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ جس سے فتویٰ کے ابتدائی ناقل کے لئے سازگار اور معاون مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

❸......فقہی اصول کسی بھی مفتی کے لئے رگِ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ اسی نقطہ نظر سے فقہ کے اصولوں پر مشتمل مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے درس کا اہتمام کیا گیا اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر مذکورہ کتاب کا درس دوسری سہ ماہی کے آخر تک جاری رہا۔ اس دوران بھی یہ کوشش بطورِ خاص کی گئی کہ قدیم فقہی اصولوں کی بقدر وسعت عصر حاضر سے مثالیں دی جائیں تاکہ افہام وتفہیم آسان ہو سکے۔

❹......ردالمحتار یعنی حاشیہ ابن عابدین معاصر فقہاء کرام کے ہاں فقہ کا انسائیکلوپیڈیا سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تخصص میں اس کا مطالعہ لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ اس کتاب کا مقدمہ بھی ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے اسی لئے ''مقدمہ ردالمحتار'' پڑھانے کے لئے بڑے اساتذہ کرام کی خدمت حاصل کی گئی تاکہ طلباء کرام اس کتاب کے مقدمہ کے ساتھ ساتھ ان کے تجربے سے بھی مستفید ہو سکیں۔

مطالعہ......تمرینِ افتاء دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، اردو تعبیر اور اس کے متعلق حوالہ جات۔ اسی وجہ سے تمرین کے شرکاء کے لئے عربی واُردو دونوں طرح کے فتاویٰ کا مطالعہ کروایا جاتا ہے تاکہ اردو تعبیر اور حوالہ جات دونوں پر مشق کے ذریعے حوالہ جات کے مطابق تعبیر بنانے کا مزاج پیدا ہو، چنانچہ عربی مطالعہ کے لئے ''الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین'' کے منتخب ابواب کا مطالعہ ہر سہ ماہی میں اردو فتاوٰی کے ابواب کی مناسبت سے رکھا گیا۔ اردو فتاوٰی میں ''کفایت المفتی جلد اول''، ''فتاوٰی عثمانی ج 3''، ''فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج 1'' کا مطالعہ صفحات کی یومیہ ترتیب سے کروایا گیا۔ مطالعاتی کارکردگی کو جانچنے کے لئے تمام کتب کا سہ ماہی کے آخر میں امتحان بھی لیا گیا۔

تمرین......پہلی سہ ماہی تمرین کا نصاب ''30 فتاوٰی جات'' رکھا گیا اور کوشش کی گئی کہ ابتدا میں آسان فتاوٰی کے ذریعے طلبہ کو اس ہنر سے آراستہ کیا جائے۔

دوسری سہ ماہی:......تدریس......مذکورہ بالا ترتیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دوسری سہ ماہی میں مندرجہ ذیل تین کتابیں بطور درس پڑھائی گئیں: (۱)......بحوث فی قضایا فقهیه معاصرة (منتخب ابحاث) (۲)......السراجی (۳)......الاشباہ والنظائر

مطالعہ......عربی کتب میں ''الدر المختار مع حاشیۃ ابن عابدین'' کے منتخب ابواب اور اردو فتاویٰ میں ''امداد الاحکام ج 2''، ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج 2'' کا مطالعہ مذکورہ بالا طریقے سے ہی کروایا گیا۔

تمرین......دوسری سہ ماہی میں تمرین پر خصوصی توجہ دی گئی اور نصاب کے مطابق مختلف ابواب سے متعلق 50 فتاوٰی جات حل کروائے گئے۔جن کے لئے باقاعدہ طور پر تین اساتذہ کرام سے دومرتبہ اصلاح یقینی بنائی گئی۔

تیسری سہ ماہی

تدریس......اس سہ ماہی میں جدید معاملات کے معیارات پر مشتمل مشہور کتاب ''المعاییر الشرعیة'' سے چند معاییر درسا پڑھائے گئے۔اس کے ساتھ ساتھ وقت کی ضرورت اور جدید مسائل سے ہم آہنگ کرنے کے لئے طلباء کو ''انگریزی'' کی بنیادی کتب بھی پڑھائی گئیں۔

مطالعہ......عربی کتب میں ''الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین'' کے منتخب ابواب اور اردو فتاویٰ میں ''فتاویٰ محمودیہ منتخب ابواب''، مسئلہ سود اور چند مفید رسائل کا مطالعہ مذکورہ بالا طریقے سے کروایا گیا۔

تمرین......اس سہ ماہی میں تمرین کا عمل مختصر کر کے ''20 تخریجات'' کر دیا گیا اور ساتھ ساتھ کسی بھی فقہی موضوع پر ایک مختصر فقہی تحقیقی مقالہ لکھوانے کا التزام کیا گیا، جس کا مقصد طلباء کو تحقیق اور نت نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کا انداز سکھانا تھا۔

نقشہ اسباق ۱۴۳۹-۴۰ھ، ۲۰۱۸-۱۹ء

الساعة الأولى	الساعة الثانية	الساعة الثالثة	الساعة الرابعة	الساعة الخامسة	الساعة السادسة
امداد الفتاویٰ، بحوث قضايا فقهية، مفتی اویس نعیم	التمرين والمطالعة	مقدمة شامي رئيس الجامعة	التمرين والمطالعة	شرح العقود مفتی محمد ساجد	الاشباه والنظائر مفتی محمد خان

شارٹ کورسز

مذکورہ بالا نصاب کے ساتھ ساتھ اضافی صلاحیتوں کو نکھارنے اور معلومات کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے طلباء کرام کو مختلف موضوعات پر شارٹ کورسز کروائے گئے جن میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے، فن کے ماہرین حضرات کو مدعو کیا گیا۔ذیل میں اس سال (۱۴۴۰ھ، ۲۰۱۹ء) میں ہونے والے شارٹ کورسز کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

......(۱)......

کاروبار کی بنیادی قسمیں اور شیئر ٹریڈنگ

(معلم: مفتی اویس نعیم، شریعہ کمپلائنس آفیسر پاک قطر تکافل)

۱۱ و ۱۲ محرم الحرام ۱۴۴۰ بمطابق ۲۲ و ۲۳ ستمبر ۲۰۱۸ء کو شرکاء تخصص کے لیے ایک مختصر کورس کا انعقاد کیا گیا،

جس میں طلباء کو کاروبار کی ابتدائی قسمیں بتانے کے بعد ”شیئرٹریڈنگ“،”اسٹاک ایکسچینج“اور”شرعیہ سکریننگ کرائٹیریا“ کا تفصیلی تعارف کروایا گیا۔

پہلے دن کے لیکچر میں کاروبار کی بنیادی قسمیں،ان کی شرعی اور قانونی حیثیت،شیئر ٹریڈنگ،اسٹاک ایکسچینج،بروکر کے کرداراورشیئرٹریڈنگ کے طریقہ کار سے متعلق تفصیلات بیان ہوئیں۔

کورس کے دوسرے دن کے لیکچر میں شیئرٹریڈنگ کے بنیادی نکات:١۔کمپنی کا بنیادی کاروبار ٢۔سودی قرضے ٣۔جامداثاثے ۴۔ناجائز آمدنی ۵۔شیئرز کی اصل اور بازاری قیمت ٦۔ناجائزانوسٹمنٹ سے حاصل ہونے والا نفع ۷۔ T+2 کی تفصیل ۸۔پیوری فیکیشن کی تفصیل،۹۔پیوری فیکیشن کا طریقہ کار۔وغیرہ پر تفصیلی معلومات شرکاء تخصص کی دی گئیں۔مجموعی طورطلباء کے لئے ایک مفید کورس رہا،جسے طلباء کرام کی طرف سے بہت سراہا گیا۔

......(٢)......

ٹائم مینیجمنٹ کورس

(معلم:مفتی افضل کاسی)

٣٠دسمبر ٢٠١٨ء بمطابق ٢٢ربیع الثانی ١۴٣٨ھ بروز اتوار یہ کورس منعقد ہوا۔کورس” مفتی افضل کاسی صاحب“ نے کرایا۔موصوف جامعہ دارالعلوم کراچی کے فارغ التحصیل اوراسلامیات کے پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ”ٹائم لینڈرز“ کے سند یافتہ بھی ہیں۔

سب سے پہلے اس کورس کی اہمیت بیان کی گئی کہ ہمارے اپنے اوقات کومنظم کرنا کتنا اہم اورضروری ہے،اور مثالوں کے ساتھ وضاحت کی گئی کہ جس نے بھی زندگی میں کامیابی حاصل کی ہےاس نے سب سے پہلے اپنے اوقات کومنظم کیا ہے۔

اس بات کو بیان کیا گیا کہ ہمیں اکثر اوقات بہت سارے کاموں کاوقت نہیں ملتااس کی کیا وجہ ہے۔

زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے کاموں کومرتب کرنا اورغیر اہم کاموں کواپنی زندگی سے نکالنا،اہم کاموں میں سے ارجنٹ کومقدم کرنا اوراس میں سے ہر کام کا طریقہ۔

اہم اور ارجنٹ کی تعریف اوروقت بچانے کے مختلف فارمولے بیان کیے گئے،جیسے لیٹ ہونے سے بچنے کے لیے”بفر“ کا فارمولا کہ”ہر کام کے لیے احتیاطا کچھ وقت اضافی رکھ لیا جائے۔“......”اپنے اندر اچھی صفات پیدا کی جائیں جیسے ایفائے عہد۔“......”وہی کام اپنے ذمے لیں جس کو کرنے کی صلاحیت اور وقت ہوا گر کسی خارجی مجبوری کی وجہ سے وہ کام نہ کرسکیں تو پہلے سے اطلاع کریں۔“......”ہر کام لکھ کر مرتب کرلیا جائے تاکہ ذہن پر بوجھ نہ رہے۔“......”اپنے آپ کو کچھ وقت دیا جائے اوراپنا جائزہ لیا جائے کہ کتنے غیر اہم کام کیے۔“

......(۳)......

ڈیجیٹل لٹریسی کورس

(معلمین: جناب سلمان عباسی، جناب جنید درانی، جناب مسعود اقبال، جناب فیضان شکیل)

یہ کورس ۱۶ گھنٹوں پر مشتمل تھا اور ۸، ۱۵، ۹ اور ۱۶ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ بمطابق ۱۷، ۱۸، ۲۴ اور ۲۵ نومبر ۲۰۱۸ء چار دن میں ہوا۔ کورس کروانے والے تمام مہمان باہر سے تشریف لائے تھے۔ محترم سلمان عباسی صاحب سرسید یونیورسٹی میں نیٹ ورک اینڈ ہارڈ ویئر انجینئر ہیں۔ محترم جنید درانی صاحب سافٹ ویئر ڈویلپنگ میں مہارت رکھتے ہیں۔ محترم مسعود اقبال صاحب موبائل ایپس میں مہارت رکھنے اور گیم ڈویلپر ہونے کے ساتھ ساتھ پروگرامنگ میں بھی قابل ذکر تجربہ رکھتے ہیں۔ محترم فیضان شکیل صاحب کا تعلق گرافک، ڈیزائننگ اور ویب ڈویلپنگ سے ہے۔ یہ حضرات P-T-E [پاکستان ٹیکنالوجی ایجوکیشن] کے نام سے ایک اکیڈمی بھی چلا رہے ہیں جس کے ایڈمنسٹریٹر جناب سلمان عباسی اور جنید درانی صاحب ہیں۔

کورس کی ابتداء میں ''ڈیجیٹل لٹریسی'' کا مفہوم بیان کیا گیا اور اس کورس کی ضرورت، اہمیت اور فوائد بیان کیے گئے۔ اس کے بعد جدید سہولیات پر بات کی گئی، ان کے فوائد بیان کیے گئے اور نقصانات پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح کی گئی کہ جدید اصطلاحات کو جاننا کتنا ضروری ہے۔ اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ جدید سہولیات اور مشینیں ہماری زندگی کا کس طرح سے احاطہ کیے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور ان کو سمجھنا ضروری ہے۔ مشینوں میں سب سے اہم چونکہ کمپیوٹر ہے اور تقریبا ہر جگہ اور ہر چیز میں اس کا دخل ہے اس لیے اس کا تعارف تفصیل کے ساتھ کرایا گیا۔ کمپیوٹر کے مختلف حصوں کی وضاحت کی گئی، نظر آنے والے اجزاء اور نظر نہ آنے والے اجزاء) جو سی پی یو کے اندر ہوتے ہیں (کے باقاعدہ نمونے دکھا کر ان کے نام اور کام بتائے گئے۔ ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر کا مطلب، ان دونوں میں فرق اور دونوں کا مقصد بیان کیا گیا۔ اس کی تاریخ اور ایجاد کے مختلف مراحل سے شرکاء کو آگاہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ موبائل فون کی جدید وقدیم صورتیں، اس کی ایجاد کے مختلف مراحل، اس میں موجود سہولیات اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ بتایا بھی گیا۔ سوشل میڈیا سے متعلقہ ایپس، ان کی تاریخ اور ان کو ایجاد کرنے والوں کا تعارف جامع انداز میں کرایا گیا۔

......(۴)......

تعارف ادیان باطلہ

(معلم: مفتی نجیب اللہ عمر صاحب)

یہ کورس ہفتہ اور اتوار ۲۴، ۲۵ صفر ۱۴۴۰ھ/ ۳، ۴ نومبر ۲۰۱۸ء، دو دن پر مشتمل تھا، جس میں مختلف مذاہب اور

مسالک کا تعارف، ان کے عقائد ونظریات کا ذکر، ان کی تردید اور دلائل وبراہین پیش کرنے کا انداز واسلوب، اس فن کی اہم کتب ومراجع کا ذکر کیا گیا، نیز مناظرے کی مبادیات اور ضروری امور واصول بیان کیے گئے۔

......(۵)......

آن لائن خرید وفروخت کے شرعی احکام

(معلمین: مفتی حسین خلیل خیل صاحب۔ڈاکٹر ذیشان صاحب۔ڈاکٹر اعجاز احمد ارشاد صاحب)

۲۰ جنوری ۲۰۱۹ کو گل بہار لان، کراچی میں منعقدہ سیمینار میں شرکائے تخصص نے شرکت کی۔ مذکورہ تینوں حضرات نے آن لائن خرید وفروخت کے مختلف فنی اور شرعی مسائل پر بات کی، تخصص کے طلباء کے لیے یہ سیمینار اس حوالے سے کافی مفید رہا کہ:

(۱)......تحقیق پسند طلباء کو تحقیق کے مختلف پہلو مل گئے۔

(۲)......اگر اس طرح کے مسائل سے متعلق کوئی استفتاء آئے تو کن امور کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے اس سے ضروری آگاہی حاصل ہوگئی۔

(۳)...... ان کی ہدایات کو سن کر شرکائے تخصص کو اندازہ ہوگیا کہ تاجر اور مستفتی جب مسئلہ معلوم کرنے آئے تو اسے کس انداز میں مسئلے سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

......(۷)......

جدید عربی لینگویج کورس

(معلم: مولانا ابوطاہر صدیق صاحب)

عربی زبان کی ضرورت اہمیت سے انکار ممکن نہیں، خصوصاً علماء وطلباء کے حوالے سے ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ جرائد اور اخبارات میں لکھی جانے والی عربی کتابی عربی سے یکسر مختلف ہونے کی وجہ سے جامعہ شرکاء تخصص کے لئے پندرہ روزہ "جدید عربی لینگویج کورس" کا اہتمام کیا۔جس میں معروف عربی دان، فاضل مدینہ یونی ورسٹی شیخ ابوطاہر صدیق صاحب سے وقت لیا گیا۔آپ نے اپنے منفرد اسلوب اور اپنی کامل صلاحیتوں سے تمام شرکاء کو مستفید فرمایا۔

......(۸)......

کالم نگاری کورس

تحریر کی ضرورت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے جامعہ کی انتظامیہ نے تخصص فی الافتاء کے شرکاء کے لیے اس سال ایک ہفت روزہ کورس بعنوان "تحریر و کالم نگاری" (۲۷ اکتوبر تا ۵ نومبر ۲۰۱۸ء) منعقد کیا، جس میں فن کے ماہرین نے درج ذیل

موضوعات پر اپنے تجربات سے روشناس کرایا۔

مدرس	موضوع
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب (معروف ادیب و کالم نگار)	۱......مضمون نگاری عصر حاضر میں
مفتی محمد ساجد (استاد جامعہ تراث الاسلام، ایڈیٹر ماہنامہ حیا)	۲......اصول املاء اور علامات ترقیم
مولانا عبدالمنعم فائز صاحب (یڈیٹر ہفت روزہ شریعہ اینڈ بزنس)	۳......عملی کالم نگاری
مولانا عمر فاروق راشد صاحب (معاون مدیر شریعہ اینڈ بزنس)	۴......مطالعہ کا طریقہ اور اسکیننگ چارٹ
محترم متوکل الرحمٰن (صحافی)	۵......رپورٹنگ اور شعبہ معاشیات کی صحافت
مولانا شفیع چترالی صاحب (معروف کالم نگار و اداریہ نویس)	۶......اداریہ نویسی اور کالم نگاری
مولانا حبیب حسین صاحب (سابق استاد جامعہ فاروقیہ)	۷......اردو تحریر میں کمال اور مہارت

اس کورس کی قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ مذکورہ لیکچرز کے ساتھ ساتھ تمرین اور عملی مشق پر بھی زور دیا گیا، جس کی نگرانی مفتی محمد اویس نعیم صاحب فرماتے رہے۔ کورس کے اختتام پر باقاعدہ شرکاء کے درمیان مضمون نویسی کا مقابلہ ہوا۔ نیز ۱۰ نومبر کو ایک "بزم سخن" منعقد کی گئی، جس میں ہر شریک کے لیے ایک مخصوص تعداد میں زبانی اشعار سنانا ضروری تھا، اس کا مقصد طلبہ میں شعری ذوق پیدا کرنا اور اپنی تحریر میں ان کو برمحل استعمال کر کے اس میں مزید نکھار پیدا کرنا تھا۔

عنوان مقالہ جات

فتویٰ نویسی کے ساتھ ساتھ ہر طالب علم سے فقہی موضوع پر تحقیقی مقالہ بھی لکھوایا جاتا ہے، چنانچہ اس سال شرکائے تخصص کے لیے درج ذیل موضوعات طے کیے گئے:

مقالہ نگار	عنوان
مولوی عبد السمیع	۱......مدارس دینیہ میں رائج نظام اوقاف
مولوی عبدالحمید	۲......مسئلہ قفیز الطحان
مولوی محمد حسین	۳......نیت (مسائل و احکام)
مولوی عبدالقدیر	۴......احکام الذبح اور ذبح کی مروجہ صورتیں
مولوی جمشید اسلم	۵......اسٹاک ایکسچینج کا تعارف
مولوی محمد عمر	۶......غصب کی شرعی حیثیت

۷......دارالاسلام میں ذمی کے احکام...........مولوی عرفان اللہ

۸......عقد کی اقسام......................................مولوی علی حمزہ

۹......اسلام کا نظام قضاء.........................مولوی ضیاء الرحمن

۱۰......نظام تکافل کے چند پہلو کا فقہی جائزہ.....مولوی عبدالحنان

۱۱......الحرکۃ الجہادیہ فی الباکستان (شرعی حیثیت).....مولوی علی رحمان

۱۲......بیع السلم...مولوی عرفان فاضل

۱۳......تسعیر...مولوی محمد شعیب

۱۴......گستاخِ صحابہؓ کا حکم...........................مولوی حمزہ طارق

مذکورہ بالا ۱۴ شرکاء کے علاوہ بقیہ ۱۷ شرکائے تخصص فتاویٰ شامی میں مذکور اصولوں پر کام کریں گے۔جس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ ان حضرات پر مختلف ابواب تقسیم کردیے گئے ہیں، یہ حضرات ان ابواب میں جو اصول ذکر کیے گئے ہیں، (۱) ان کی نشاندہی کرکے ان کی تحقیق کریں گے۔(۲) اس کا مطلب اور وضاحت کریں گے۔(۳) اس کا ماخذ بیان کریں گے۔(۴) یہ اصول دیگر کن کتابوں میں موجود ہے، ان کے حوالہ جات۔(۵) اس کا دائرہ کار کیا ہے۔

شرکائے تخصص جامعہ تراث الاسلام، کراچی

(۱۴۴۰ھ، ۲۰۱۹ء)

نمبرشمار	نام	ساکن	فاضل
۱	مولوی عبدالسمیع	کشمیر	جامعہ دارالعلوم، کراچی
۲	مولوی محمد عظیم	بلوچستان	جامعہ تراث الاسلام، کراچی
۳	مولوی عبدالوہاب	جہلم	مدرسہ عربیہ رائیونڈ
۴	مولوی محمد مہتاب نصیر	آزاد کشمیر	جامعہ ابوہریرہ، مظفرآباد
۵	مولوی راؤ صداقت علی	کراچی	جامعہ تراث الاسلام کراچی
۶	مولوی عبدالوہاب	کراچی	جامعہ تراث الاسلام، کراچی
۷	مولوی علی رحمان	وزیرستان	دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک
۸	مولوی نیاز ہاشمی	کراچی	جامعہ تراث الاسلام، کراچی

۹......	مولوی نسیم اللہ......................	بلوچستان................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۰......	مولوی ذوالقرنین......................	آزاد کشمیر...........	مدرسہ عربیہ رائیونڈ
۱۱......	مولوی عبدالحنان......................	کراچی.................	جامعہ مفتاح العلوم، جلال آباد
۱۲......	مولوی احمد حسن......................	کراچی.................	جامعہ انوار العلوم، کراچی
۱۳......	مولوی نظام الدین......................	چمن.....................	جامعہ فاروقیہ، کراچی
۱۴......	مولوی عبدالقدیر......................	بلوچستان................	جامعہ فتح البرکات، ملتان
۱۵......	مولوی جمشید اسلم میمن......................	کراچی.................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۶......	مولوی فدا احمد......................	بلوچستان................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۷......	مولوی حکیم اللہ......................	بٹگرام..................	جامعہ اشرفیہ، لاہور
۱۸......	مولوی اظہار الحق......................	بٹگرام..................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۹......	مولوی حمل برکت......................	تربت..................	جامعہ بنوریہ عالمیہ، کراچی
۲۰......	مولوی محمد صدیق......................	بلوچستان................	جامعہ فاروقیہ کراچی
۲۱......	مولوی آفتاب......................	خاران.................	جامعہ دارالعلوم، کراچی
۲۲......	مولوی محمد عرفان......................	کراچی.................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۲۳......	مولوی عزت اللہ......................	قلعہ عبداللہ......	جامعہ فاروقیہ، کراچی
۲۴......	مولوی محمد عمر......................	کراچی.................	جامعہ اسلامیہ عمر بن خطاب، جلال آباد
۲۵......	مولوی محمد حسین......................	کراچی.................	جامعہ اسلامیہ عمر بن خطاب، جلال آباد
۲۶......	مولوی محمد شعیب......................	کراچی.................	جامعہ بنوریہ عالمیہ، کراچی
۲۷......	مولوی ضیاء الرحمٰن......................	خاران.................	جامعہ فاروقیہ، کراچی
۲۸......	مولوی علی حمزہ......................	رحیم یار خان...........	جامعہ دارالعلوم، کراچی
۲۹......	مولوی حمزہ طارق......................	ایبٹ آباد...........	جامعہ تراث الاسلام، کراچی
۳۰......	مولوی عرفان اللہ......................	کراچی.................	جامعہ دارالعلوم کراچی
۳۱......	مولوی امان الرحمن......................	تورغر..................	جامعہ عثمانیہ، پشاور

☆......☆......☆

اردوادب

اردو زبان میں دخیل الفاظ کا مسئلہ

ڈاکٹر سہیل بخاری

دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو قوموں میں ملاپ ہوتا ہے تو ان کی زبانیں بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ذخیرے سے تھوڑے بہت الفاظ ضرور لے لیتی ہے جو اپنے بے گانہ ماحول میں ''دخیل'' کہلاتے ہیں۔ان کی اہمیت اس لیے مسلّم ہے کہ یہ ہمیں دو قوموں کے تعلقات اور ان کی نوعیت (مذہبی، سیاسی، فوجی، سماجی وغیرہ) سے آگاہی بخشتے ہیں جو ماضی کے کسی عہد میں استوار ہوئے تھے اور یوں تاریخ عالم کے ان گوشوں کو روشن کرتے ہیں جو ابھی تک پردۂ تاریکی میں ہیں اور جن تک ہماری رسائی کے تمام وسائل ختم ہو چکے ہیں، چناں چہ اس اعتبار سے کہ ازمنہ قدیم کے حالات کا سراغ لگانے کے لیے زبان اور زبان کے الفاظ ہی ہمارا واحد وسیلہ اور آخری سہارا ہیں۔اردو قوموں کے ارتباط باہمی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دخیل الفاظ کی قدر و قیمت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

ماضی کے کسی دور میں ہندوستان پر موجودہ روسی ترکستان کے آریہ قبائل کی ترک تاز اس برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم واقعہ ہے جس کے باعث دو قوموں (آریہ اور دراوڑ) میں ایک ایسا تصادم ہوا تھا کہ اس کے اثرات زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح آج ہندوستانی لسانیات میں بھی اچھی طرح محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اردو زبان نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح پہلی بار آریوں کی آبائی زبان (اصطلاحاً اوستائی) کے حلقہ اثر میں آکر 'ڈ'، 'ڈھ' اور 'ڑ' کی آوازیں قبول کی تھیں جو بادی النظر میں اس کا گوشت و پوست معلوم ہوتی ہیں لیکن ذرا سے تامل پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ آریوں کے حملہ سے پہلے ہمالیہ کے اس پار کی زبانوں میں جنھیں بجا طور پر دراوڑی کہا جاسکتا ہے، یہ آوازیں نہیں ملتی تھیں۔ چناں چہ آج بھی ہماری زبانوں کا تلفظ جو ہزاروں سال سے زبانوں پر کمال صحت کے ساتھ منتقل ہوتا چلا آیا ہے، پکارے گلے بتا رہا ہے کہ یہ آریائی ملمّع ہماری آواز کی ہلکی سی آنچ سے صاف اُتر جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اسی زمانے میں اردو زبان نے بہت سے آریائی الفاظ بھی مستعار لے لیے ہوں گے، کیوں کہ زبانوں میں آوازوں کے لین دین کا نمبر الفاظ کے لین دین کے بعد آتا ہے لیکن اس زمانے کی ایسی کوئی دستاویزی شہادت اس وقت سامنے نہیں ہے جس سے اردو میں دخیل الفاظ کی قطعی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اردو اور اس کی

معاصر زبانوں میں آج جو سنسکرت الفاظ پائے جاتے ہیں وہ آریوں کی بول چال سے نہیں آئے بلکہ ان کی تحریری زبان سنسکرت سے لیے گئے ہیں، اس لیے ان کا جو تلفظ عام طور پر کیا جارہا ہے ساقط الاعتبار ہے، کیوں کہ سنسکرت اور ویدک کی تحریروں میں قدیم ایرانی اور مختلف دراوڑی بھاشاؤں (بول چال کی زبانوں) کے الفاظ کتابت کے مخصوص اُصولوں کے تحت درج کیے گئے، اور اصول اولین شارح رگ وید باسک متی کی تحریر کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ سو سال قبل مسیح تک عالموں کے حیطۂ عالم سے باہر ہو چکے تھے۔ حالاں کہ ان زبانوں میں یہ الفاظ حقیقت میں وہی ہیں جو آج ترکستان میں بولے جارہے ہیں یا پاک و بھارت کی مختلف زبانوں میں رائج ہیں۔

اردو کے دخیل الفاظ پر دوبارہ غور کرنے کے لیے ہمیں اس زمانے کا انتظار کرنا پڑتا ہے جب کہ دسویں صدی عیسوی کے لگ بھگ مسلمانوں نے ہندوستان پر درہ خیبر کی راہ سے حملہ کیا اور ایرانی بول چال کی زبان دوبارہ ان کی ہمرکابی میں یہاں پہنچی۔ یہ حملہ آور اپنے سے ہزاروں سال پہلے کے آریوں کی طرح زبان کے علاوہ اپنی لپی بھی ساتھ لائے تھے جس میں آگے چل کر یہاں کے مختلف علاقوں کی مقامی زبانیں قلم بند ہونے لگیں اور یوں اردو زبان بھی جو ان کی آمد سے قبل دیونا گری ہی میں لکھی جاتی تھی، ایرانی لپی کے لباس میں آگئی اور چوں کہ فارسی ہند شمالی میں مسلمان حکمرانوں کی مادری زبان ہونے کے لحاظ سے سرکار دربار میں ۱۸۳۲ء تک مسند نشین رہی یہاں کی دوسری مقامی زبان میں بھی بے شمار فارسی اور فارسی کی وساطت سے عربی الفاظ داخل ہو گئے۔

اس کے برعکس ہند جنوبی میں فارسی کو راج پاٹ کا کبھی موقع نہیں ملا بلکہ ابتدا ہی سے دکنی زبان اس منصب پر بڑے اطمینان واعتماد کے ساتھ براجمان رہی جو اس کا پیدائشی حق تھا اس لیے دکن میں دخیل الفاظ کی تعداد، تلفظ اور املا وغیرہ مقامی اصول وقواعد کے پابند رہے جب کہ شمال میں اردو زبان عربی فارسی سے اس حد تک دب گئی کہ اس میں دخیل الفاظ کا تناسب دکنی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گیا اور تلفظ واملا بھی قریب قریب اسی طرح جاری رہے جس طرح عربی فارسی میں تھے بلکہ ان زبانوں نے اردو میں اپنی بہت سی آوازیں بھی داخل کر دیں اور اس کے بہت سے الفاظ کو یوں تبدیل کر دیا کہ وہ اپنی ہی زبان میں دخیل نظر آنے لگے۔ مثلاً پٹخنا (اصل ٹپکنا)، چٹخنا (اصل چٹکنا)، اخروٹ (اصل اکھروٹ)، شراٹا (اصل سراٹا)، زناٹا (اصل جھناٹا)، زپاٹا (اصل جھپاٹا)، خصم (اصل کھسم) زق زق بق بق (اصل جھک جھک بک بک وغیرہ)

عربی فارسی کے دخیل الفاظ کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اردو کی بہت سی مروجہ فرہنگوں اور تحریروں میں دیسی الفاظ کے مقابلہ میں دخیل الفاظ کی تعداد آٹے میں نمک کی بجائے نمک میں آٹے کے مصداق نظر آتی ہے۔ انشاء اللہ خاں کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' اور آرزو لکھنوی کے دیوان ''سریلی بانسری'' کو چھوڑ کر جن میں دخیل الفاظ سے جان بوجھ کر اور کوشش کر کے دامن بچایا گیا ہے اور جنھیں دیسی زبان کی صلاحیتوں کو روشن کرنے کے لیے نمونہ بنا کر پیش کیا

گیا ہے، اردو زبان کے اس سرمایہ کو جو فارسی لپی میں ہمارے سامنے موجود ہے اول سے آخر تک دیکھ جایئے تو یہی گمان گزرے گا کہ اردو زبان فارسی عربی سے نہیں تو کم از کم ان کی وساطت سے ضرور پیدا ہوئی ہے۔ اس صورت حال سے زبان اردو کے بعض مورخین کی معذوری کا بھی پہلو نکلتا ہے جنھوں نے بول چال کی زبان کے بجائے اسی ادبی سرمائے پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے۔

اس سلسلے میں ادب اردو کے چند نامور شعرا نے جن کی ابتدا حاتم اور مرزا مظہر جان جاناں سے ہوتی ہے اپنے اپنے زمانے میں جو کوششیں، اصلاح زبان کے نام سے کی ہیں حقیقتاً اور عملاً تفریس شاعری کے نام سے موسوم ہونا چاہئیں کیوں کہ فارسی لپی میں منتقل ہونے کے بعد اردو شاعری دیسی عروض سے کٹ کر مکمل طور پر ایرانی شاعری کی لونڈی بن گئی تھی اور تفریس شاعری کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور مکمل بنانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ زبان کے دیسی الفاظ نکال نکال کر ان کی جگہ عربی فارسی کے زیادہ سے زیادہ لغات داخل کر دیئے جائیں۔ چوں کہ شاعری ایک موثر پیرایہ بیان ہے، اس لیے شعرا کی ان کوششوں سے اردو کے پڑھے لکھے طبقے کا اثر قبول کرنا ناگزیر تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جس انشا پرداز نے بھی قلم ہاتھ میں اُٹھایا اس نے اپنے پیش رو سے زیادہ عربی فارسی الفاظ اردو زبان میں داخل کر دیئے اور اب یہ حال ہے کہ ہم کٹھن سے کٹھن موقع پر بھی دخیل لفظ پیش کر سکتے ہیں، لیکن دیسی لفظ پوچھیے تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

اردو کی تیسری بار ٹکر انگریزی زبان سے ہوئی جو مسلمانوں کے حملے کے تقریباً پانچ چھ سو سال کے بعد سات سمندر لانگھ کر انگریزوں کے ساتھ سورت کی بندرگاہ پر اُتری۔ اگر چہ ولندیزی، پرتگالی اور فرانسیسی زبانیں انگریزی سے پہلے یہاں آ چکی تھیں جن کے چند الفاظ اردو میں آج بھی ملتے ہیں پھر بھی اردو سے ان کا اتنا بلا واسطہ اور گہرا تعلق قائم نہیں ہوا جتنا انگریزی زبان سے۔ اس لیے دخیل الفاظ کے سلسلے میں ان کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کا دور حکومت تقریباً دو سو سال تک جاری رہا جس میں انھوں نے اپنی زبان کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچانے اور پھیلانے کی جان توڑ کوشش کی بلکہ ۱۸۳۲ء میں فارسی کی گدّی چھین کر بظاہر جو انھوں نے اردو کو سرکاری زبان بنایا تھا اس میں بھی یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ اردو کی آڑ میں انگریزی کو راج سنگھاسن پر بٹھا دیں اور اس میں وہ اتنے کامیاب رہے کہ انھیں ہمارا ملک چھوڑے ہوئے سترہ سال ہو چکے ہیں، لیکن انگریزی ابھی تک جہاں کی جہاں جمی ہوئی ہے۔ اس اتصال سے انگریزی کے بہت سے الفاظ اردو میں داخل ہوئے جو آج خواص سے گزر کر عوام کی زبانوں پر بھی جاری ہیں۔

غرض اردو دیوناگری لپی میں سنسکرت سے الفاظ لیتی رہی۔ ایرانی لپی میں فارسی عربی لغات جذب کرتی رہی اور آخر میں آ کر انگریزی سے بھی خوشہ چینی کرنے لگی۔ اس طرح ہماری زبان میں بے شمار دخیل الفاظ جمع ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فارسی عربی یا انگریزی کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے وہ ان زبانوں میں بڑی

آسانی کے ساتھ اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ جب وہ اردو میں لکھنے بیٹھتے ہیں تو وہی الفاظ جو ان کے ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں، اپنی تحریروں میں درج کر دیتے ہیں اور یوں اردو زبان کے الفاظ تلاش کرنے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ یہ تن آسان لوگ عادتاً دخیل الفاظ استعمال کرتے اور قصداً کدوکاوش سے کتراتے ہیں۔ اسی جماعت میں ان لوگوں کا بھی شمار ہے جن کو اردو کم آتی ہے۔ وہ اپنی کمی کو اردو کے مزید مطالعے کے بجائے دخیل الفاظ سے پورا کر کے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض لوگ صرف اس لیے دخیل الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ دوسروں پر اپنے علم وفضل کی دھاک بٹھائیں۔ یہ لوگ غیر زبانوں کی فرہنگوں سے تلاش کر کر کے بڑے ثقیل اور نامانوس الفاظ لاتے ہیں اور چٹانوں کی طرح اپنی تحریروں میں لڑھکا دیتے ہیں اور پھر ان تحریروں کو انشا پردازی اور ادب کے بہترین نمونوں اور شاہ کاروں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسروں کے آسان، ہلکے پھلکے اور بول چال کے لفظ گنوار اور غیر فصیح ہوتے ہیں اور مصنفین کی کم علمی اور بدذوقی پر دلالت کرتے ہیں، غرض ان کا رویہ احساس کمتری کا غماز ہے۔ پھر، کچھ لوگ عربی الفاظ کی طرف اس لیے زیادہ مائل ہوتے ہیں کہ عربی ہماری مذہبی زبان ہے اور قرآن اس میں نازل ہوا ہے۔ بعض فارسی سے بھی کچھ ایسی ہی شدید وابستگی محسوس کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی تہذیبی زبان ہے اور پھر کچھ ایسے بھی ہیں جو انگریزی زبان سے مرعوب ہیں کہ یہ ان کے نزدیک بین الاقوامی زبان ہے۔ چناں چہ اس جماعت والے بھی کسی نہ کسی غیر زبان کے شیدائی نظر آتے ہیں۔

بہر حال دخیل الفاظ سے کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی مدد سے خیالات کا ذرا ذرا سا فرق بڑی آسانی سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ان کے استعمال سے خیالات کی حدود قطعی اور خطوط واضح ہو جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لکھنے والا ایک ہی لفظ کو بار بار دہرانے سے بچ جاتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دخیل الفاظ سے زبان کے سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس زبان میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ الفاظ پائے جاتے ہیں وہ باثروت سمجھی جاتی ہے اس لحاظ سے اردو زبان اس برصغیر کی تمام زبانوں پر سبقت لے گئی ہے کہ کسی زبان کا اثاثہ اس کے ذخیرہ الفاظ کے سامنے نہیں ٹھہرتا بلکہ ہم اس کے سرمائے کو نہایت فخر کے ساتھ دنیا کی کسی زبان کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

ان تمام فائدوں کے ہوتے ہوئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا، دخیل الفاظ کے استعمال میں کچھ نقصانات بھی مضمر ہیں بلکہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ نقصانات کی تعداد اور اہمیت فوائد سے زیادہ ہے کسی زبان میں الفاظ کی تعداد زیادہ ہو جانے سے بولنے والوں کے حافظے پر غیر معمولی بار پڑ جاتا ہے۔ چناں چہ ہم لوگوں کو اردو الفاظ کے علاوہ ان الفاظ کو بھی یاد کرنا پڑتا ہے جو سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی سے مستعار لیے جا چکے ہیں اور جب تک مستعار لینے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا حافظے پر بوجھ بھی برابر بڑھتا رہے گا۔ یہ صورت حال حد درجہ مصنوعی اور محنت طلب ہے۔

دخیل الفاظ کے باعث زبان میں بہت سے مقامات پر اُلجھنیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے

ہیں جن میں اردو زبان کے لب ولہجہ کے باعث ابہام آ جاتا ہے مثلاً سحر اور صہر۔ثواب اور صواب بہر (واسطے) اور بحر (سمندر وزن فخر) وغیرہ۔بعض ایسے ہیں جو ہماری زبان کے لب ولہجہ سے میل ہی نہیں کھاتے مثلاً شمع، طرح، صبح وغیرہ کو عربی میں ان کا درمیانی حرف ساکن اور آخری متحرک ہوتا ہے اور اردو کا لب ولہجہ اس کو قبول نہیں کرتا، بعض دخیل الفاظ ایسے ہیں جن کی مکتوبی اور ملفوظی صورت مختلف زبانوں میں ایک ہی ہے لیکن معنی جدا جدا ہیں مثلاً کسر (اردو کمی، عربی ٹکڑا)۔سل (اردو پتھر کا ٹکڑا۔عربی دق کی بیماری۔کوٹ (اردو قلعہ۔انگریزی ایک لباس) برادر دو بھڑ بمعنی زنبور۔فارسی اوپر عربی خشکی) چال (اردو فارسی، فارسی گڑھا) بال (اردو رواں۔فارسی پر۔انگریزی گیند) وغیرہ۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ دخیل الفاظ کے لیے زبان میں ایک ترجیحی رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ ان کے حق میں اپنی زبان کے الفاظ سے دست کش ہو جاتے ہیں یوں متروکات کی تعداد روز بروز بڑھتی اور زبان کی پونجی گھٹتی چلی جاتی ہے، مثلاً جب اردو والے نکاس کی جگہ سرچشمہ یا منبع، ٹھیٹھ کی جگہ خالص سامنے کی جگہ روبرو یا مقابل، آنگن کی جگہ صحن، اوجھل کی جگہ پوشیدہ، پکڑ کی جگہ گرفت، لگا تار کی جگہ متواتر یا علی التواتر یا علی الاتصال لکھتے پڑھتے رہیں گے تو ایک دن ایسا آ جائے گا کہ اردو الفاظ حافظے اور علم سے بھی محو ہو جائیں گے۔آج بھی اردو میں جتنے دخیل الفاظ استعمال ہو رہے ہیں ان میں سے کچھ ایسے اصل ہیں جن کے ٹھیٹھ مترادفات کی اب شناخت بھی مشکل ہو گئی ہے، مثلاً فطرت یا قدرت یا نیچر تہذیب یا کلچر، حرف، تلفظ، کاغذ، دوات، روشنائی، دروازہ یا دوار، الماری، برج یا گنبد وغیرہ۔

دخیل الفاظ زبان کی بالیدگی میں بھی ہارج ہوتے ہیں۔جب وقت کی تبدیلی کے ساتھ کوئی نیا خیال یا نئی چیز کسی زبان کے بولنے والوں کے سامنے آتی ہے تو یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جاہل اور بے پڑھے انسان بھی اس کے لیے لفظ سازی کے انھیں اصولوں پر جو اس زبان میں پیش تر سے موجود ہوتے ہیں، اپنے ہی کسی مروجہ لفظ سے ایک نیا لفظ گڑھ لیتے ہیں لیکن جب غیر زبان کے بنے بنائے لفظ سے ضرورت رفع کر لی جاتی ہے تو اہل زبان کو اپنی زبان کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔لہٰذا اردو زبان میں دوسری زبانوں سے جتنے زیادہ الفاظ داخل ہوتے رہیں گے اس کی ترقی کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے چلے جائیں گے کیوں کہ زبان اپنی ہی داخلی قوت سے فروغ پاتی اور آگے بڑھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں بعض دخیل الفاظ کا استعمال ہمارے لیے ضروری ہے مثلاً مسلمانوں کی مذہبی اصطلاحات اور ان کی معاشرت کے لوازمات (کھانوں اور کپڑوں وغیرہ) کے ایرانی و عربی نام جو ہماری یومیہ زندگی کا جز ہیں۔یہ چیزیں مسلمانوں سے مخصوص ہیں اور ان کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئی ہیں۔ایجادات کے نام جو مغرب سے اپنے موسامات کے ساتھ ہمارے ملک میں آئے ہیں اور سائنسی اصطلاحات جو دنیا میں عام ہو چکی ہیں لیکن سنسکرت الفاظ کو استعمال کرنا اردو زبان میں بناوٹی پن کو فروغ دینا ہے کیوں کہ ان کے مکتوبی اور ملفوظی رویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔چوں کہ ایک خاص سطح تک سائنسی معلومات بھی دنیا کی روزانہ زندگی میں داخل ہو چکی

ہیں اس لیے اس حد تک ہمیں اپنی ہی زبان سے سائنسی اصطلاحات وضع کر کے کام چلانا چاہیے کہ وہ زیادہ عام فہم ہوں گی اور ان کے ذریعے روزمرہ کی سائنس تک ہماری قوم کے ہر فرد کی رسائی بآسانی ہو سکے گی، البتہ اعلیٰ تحقیقات کی سطح پر جب تک ہمارے یہاں سائنسی اصطلاحات مکمل طور پر نہ بن جائیں انھیں انگریزی اصطلاحات کو استعمال کر سکتے ہیں جو بیشتر یونانی اور لاطینی زبانوں کی تحریروں سے اخذ کی گئی ہیں اور جن کے صحیح ملفوظی روپ ہمیں قدیم وجدید فارسی سے ایک نہ ایک دن ضرور دستیاب ہو جائیں گے کیوں کہ یہ سب زبانیں باہم رشتہ دار ہیں، اس وقت ہم پاکستانیوں کے سامنے ایک اور بھی تجویز موجود ہے۔

جب یہ مسلم ہے کہ دخیل الفاظ ہر زبان کا ایک ناگزیر جز ہوتے ہیں اور ہمیں بھی اردو زبان کے لیے ان کی ضرورت واہمیت سے انکار ممکن نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ہم بدیسی الفاظ کی جگہ پاکستان کی ہی علاقائی زبانوں کے لغات سے کام لیں کہ ان کا حق بدیسی الفاظ پر مرجح ہے اور اس لیے مرجح ہے کہ اردو اور علاقائی زبانوں میں مشترکہ دراوڑی خاندان کے باعث بنیادی اور مزاجی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جب کہ فارسی، آریائی، عربی، سامی اور انگریزی اینگلوسیکشن خانوادے سے تعلق رکھتی ہے اور لسانی خاندانوں کا بنیادی فرق اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اردو اور سندھی یا اردو اور پنجابی میں اتنا فرق نہیں ہے جتنا اردو اور فارسی یا اردو اور انگریزی میں پایا جاتا ہے اور اس فرق کا دخیل الفاظ کی موزونیت یا ناموزونیت میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

الغرض دوسری زبانوں سے بے تامل الفاظ پر الفاظ لیتے چلے جانا نہ صرف غیر ضروری بلکہ اردو کے لیے الٹا نقصان دہ ہے اس لیے ہمیں سب سے پہلے یہ چاہیے کہ اپنی زبان کے بنیادی ذخیرے اور اس کی صلاحیتوں کا بھرپور جائزہ لے کر اس کی توانائی پر اپنا اعتماد بحال کریں اور اردو کی کم مائیگی کا مفروضہ قائم کرنے والوں کے پروپیگنڈے میں نہ آئیں۔ دخیل الفاظ کی تعداد کو ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دیں۔ موجودہ دخیل الفاظ کے استعمال میں احتیاط اور اعتدال سے کام لیں اور آئندہ جب کسی لفظ کی ضرورت پڑے تو بدیسی زبانوں کی جگہ اپنی ہی علاقائی زبانوں سے امداد طلب ہوں کہ اس سے اردو کے سمجھنے والوں کا دائرہ وسیع ہوگا اور تمام اہل وطن اس کے واسطے سے اتحاد و یگانگت کی ایک ہی لڑی میں منسلک ہو جائیں گے۔

☆......☆......☆

اوراد و وظائف

دعائے انس بن مالک رضی اللہ عنہ

مولانا اختر شاہ
استاذ: جامعہ تراث الاسلام

حفاظت کی دعاؤں میں ایک بہت ہی اہم دعا وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی، اس کی برکت سے وہ ہر قسم کے مظالم اور فتنوں سے محفوظ رہے، اس دُعا کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جمع الجوامع میں نقل فرمایا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کی شرح فارسی زبان میں تحریر فرمائی ہے، اور اس کا نام "**استیناس انوار القبس فی شرح دعاانس** تجویز فرمایا ہے، ذیل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی دعا پیش خدمت ہے، حضرات علماء وطلباء ومبلغینِ اسلام اور تمام اہلِ اسلام صبح وشام اس دُعا کو پڑھا کریں، اِن شاءاللہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، وہ دُعا یہ ہے:

بِسْمِ اللهِ عَلٰی نَفْسِیْ وَدِیْنِیْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ وَوَلَدِیْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰی مَا اَعْطَانِیَ اللهُ، اَللهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِه شَیْئًا، اَللهُ اَکْبَرُ، اَللهُ اَکْبَرُ، اَللهُ اَکْبَرُ وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَعْظَمُ مِمَّا اَخَافُ وَاَحْذَرُ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ مَّرِیْدٍ، وَّمِنْ شَرِّ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اِنَّ وَلِیِّ اللهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ۔

فائدہ: شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ جلیل القدر حافظِ حدیث ہیں، انہوں نے "جمع الجوامع" میں نقل کیا ہے کہ ابو الشیخ نے "کتاب الثواب" میں اور ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بیٹھے تھے، حجاج نے حکم دیا کہ ان کو مختلف قسم کے چار سو گھوڑوں کا معائنہ کرایا جائے، حکم کی تعمیل کی گئی، حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: فرمایئے! اپنے آقا یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اس قسم کے گھوڑے اور ناز ونعمت کا سامان کبھی آپ نے دیکھا؟ فرمایا: بخدا! یقیناً میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدرجہا بہتر چیزیں دیکھیں اور میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: جن گھوڑوں کی لوگ پرورش کرتے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

ایک شخص گھوڑا اس نیت سے پالتا ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا اور دادِ شجاعت دے گا، اس گھوڑے کا پیشاب، لید، گوشت پوست اور خون قیامت کے دن تمام اس کے ترازوئے عمل میں ہوگا۔

دُوسرا شخص گھوڑا اس نیت سے پالتا ہے کہ ضرورت کے وقت سواری کیا کرے اور پیدل چلنے کی زحمت سے بچے (یہ نہ ثواب کا مستحق ہے اور نہ عذاب کا)

تیسرا وہ شخص ہے جو گھوڑے کی پرورِش نام اور شہرت کے لئے کرتا ہے، تاکہ لوگ دیکھا کریں کہ فلاں شخص کے پاس اتنے اور ایسے ایسے عمدہ گھوڑے ہیں، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

حجاج! تیرے گھوڑے اسی قسم میں داخل ہیں، حجاج یہ بات سن کر بھڑک اُٹھا اور اس کے غصّے کی بھٹی تیز ہوگئی اور کہنے لگا: اے انس! جو خدمت تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کی ہے اگر اس کا لحاظ نہ ہوتا، نیز امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے جو خط مجھے تمہاری سفارش اور رعایت کے بابت لکھا ہے، اس کی پاسداری نہ ہوتی تو نہیں معلوم کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا کر گزرتا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ تجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تو مجھے نظرِ بد سے دیکھ سکے، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند کلمات سن رکھے ہیں، میں ہمیشہ ان ہی کلمات کی پناہ میں رہتا ہوں اور ان کلمات کی برکت سے مجھے نہ کسی سلطان کی سطوت سے خوف ہے، نہ کسی شیطان کے شر سے اندیشہ ہے، حجاج اس کلام کی ہیبت سے بے خود اور مبہوت ہوگیا، تھوڑی دیر بعد سر اُٹھایا اور (نہایت لجاجت سے) کہا: اے ابوحمزہ! وہ کلمات مجھے بھی سکھا دیجئے! فرمایا: تجھے ہرگز نہ سکھاؤں گا، بخدا! تو اس کا اہل نہیں۔

پھر جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آیا، آبان جو آپ کے خادم تھے، حاضر ہوئے اور آواز دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا: وہی کلمات سیکھنا چاہتا ہوں جو حجاج نے آپ سے چاہے تھے مگر آپ نے اس کو سکھائے نہیں، فرمایا: ہاں! تجھے سکھاتا ہوں، تو ان کا اہل ہے۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس برس خدمت کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے راضی تھے، اسی طرح تو نے بھی میری خدمت دس سال تک کی اور میں دُنیا سے اس حالت میں رُخصت ہوتا ہوں کہ میں تجھ سے راضی ہوں، صبح وشام یہ کلمات پڑھا کرو، حق سبحانہ وتعالیٰ تمام آفات سے محفوظ رکھیں گے۔

طب وصحت

عجوہ کھجور......امراض قلب کا نسخۂ شفا

جاوید چوہدری
معروف کالم نگار

ملک ریاض انجیو پلاسٹی کے لئے لندن جانے لگے تو سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ نے انہیں دل کی تقویت کے لئے طب نبوی سے ایک نسخہ بتایا، جنرل اسلم بیگ کا کہنا تھا کہ انہیں 56 سال کی عمر میں دل کا عارضہ لاحق ہوا، یہ اپنے مرض کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے، کیوں کہ اس سے ان کے فوجی کیریئر پر زد پڑ سکتی تھی، چنانچہ انہوں نے جدید علاج کی بجائے طب نبوی کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا، انہیں کسی صاحب نے یہ نسخہ بتایا، انہوں نے یہ نسخہ استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ حیران کن حد تک صحت مند ہو گئے۔ جنرل اسلم بیگ کا کہنا تھا کہ آپ انجیو پلاسٹی سے پہلے ایک مہینہ تک یہ نسخہ استعمال کریں اور اس کے بعد اپنے ٹیسٹ کرائیں، اگر شفا ہو گئی تو ٹھیک، ورنہ دوسری صورت میں آپ انجیو پلاسٹی کرا لیں۔ ملک ریاض نے جنرل اسلم بیگ سے یہ نسخہ لیا اور اس کا استعمال شروع کر دیا، ایک مہینے کے بعد یہ لندن کے کراموپل اسپتال گئے، وہاں انہوں نے دنیا کے ایک نامور کارڈیالوجسٹ سے رابطہ کیا، ان نے ان کے ٹیسٹ کرائے اور ٹیسٹوں کے نتائج دیکھ کر انہیں بتایا، آپ کا دل مکمل طور پر ٹھیک ہے، آپ کو کسی قسم کے علاج کی ضرورت نہیں، ملک ریاض نے اپنے پرانے ٹیسٹ اس کے سامنے رکھ دیئے، اس نے دونوں ٹیسٹ میچ کئے اور یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں ٹیسٹ ایک ہی شخص کے ہیں، بہر حال قصہ مختصر ملک ریاض واپس پاکستان آئے اور انہوں نے اس نسخے کو اپنا معمول بنا لیا۔ یہ 2009ء میں ایک بار پھر کراموپل اسپتال کے اسی ڈاکٹر کے پاس گئے، اس نے ان کے دوبارہ ٹیسٹ کئے، پرانے ٹیسٹ دیکھے اور اس کے بعد یہ بتا کر حیران کر دیا کہ 1995ء سے لے کر 2009ء تک ان کی دل میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا، ان کا دل مکمل طور پر صحت مند ہے اور یہ کھائیں، پئیں اور موج اڑائیں۔ ملک ریاض یہ نسخہ آج بھی استعمال کر رہے ہیں اور اپنے بے شمار دوستوں کو بھی کروا رہے ہیں، جنرل اسلم بیگ بھی یہ استعمال کرتے ہیں اور یہ شاید اس نسخے کی وجہ سے 84 سال کی عمر میں بھی نہ صرف صحت مند اور متحرک زندگی گزار رہے ہیں، بلکہ ان کا دل بھی جوانوں کی طرح مضبوط ہے۔

یہ نسخہ بہت سادہ ہے، آپ عجوہ کھجور کی گٹھلیاں لے کر پیس لیں اور اس پاوڈر کی آدھا چمچ روز صبح پانی کے ساتھ نگل لیں، ان شاء اللہ آپ کے دل کے تمام امراض ٹھیک ہوجائیں گے۔ میں آپ کو بھی بتا تا چلوں کہ تاریخ اسلام میں پہلا ہارٹ اٹیک جنگ قادسیہ کے ہیرو اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا، آپ کے دل میں اچانک تکلیف ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہیں عجوہ کھجور گٹھلی سمیت کوٹ کر کھلا دو، یہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عجوہ کھجور کوٹ کر کھلائی گئی اور آپ صحت مند ہوگئے۔ یہ کھجور صرف سعودی عرب سے ملتی ہے اور خاصی قیمتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ امراض دل کی ادویات سے یقیناً سستی ہوگی، اس نسخے کے دونوں راوی زندہ بھی ہیں اور صحت مند بھی ہیں، آپ اگر مزید تحقیق کرنا چاہیں تو آپ جنرل مرزا اسلم بیگ اور ملک ریاض حسین سے رابطہ کر سکتے ہیں، میں نے کیوں کہ ابھی تک یہ نسخہ استعمال نہیں کیا، چنانچہ میں اپنا تجربہ بیان نہیں کر سکتا، تاہم اگر آپ کو شفا نصیب ہوجائے تو آپ جنرل اسلم بیگ، ملک ریاض اور میرے لئے دعا فرما دیجئے گا اور اگر شفا نہ ہو تو ہم تینوں کو معاف کر دیجئے گا، کیوں کہ اس انفارمیشن کا مقصد نیک ہے۔

☆......☆......☆

رشتۂ دیوار و در، تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

رشتۂ دیوار و در، تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے
مت گرا، اس کو یہ گھر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

تیرے میرے دم سے ہی قائم ہیں اس کی رونقیں
میرے بھائی یہ نگر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

کیوں لڑیں آپس میں ہم ایک ایک سنگِ میل پر
اس میں نقصانِ سفر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

شاخ شاخ اس کی ہمیشہ بازوئے شفقت بنی
سایا سایا یہ شجر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

کھا گئی کل ناگہاں جن کو فسادوں کی صلیب
ان میں اِک نورِ نظر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

اپنی حالت پر نہیں تنہا کوئی بھی سوگوار
دامنِ دل تر بہ تر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

کچھ تو ہم اپنے ضمیروں سے بھی کر لیں مشورہ
گرچہ رہبر معتبر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

غم تو یہ ہے گر گئی دستارِ عزت بھی قتیلؔ
ورنہ اِن کاندھوں پہ سر تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

(قتیل شفائی)

جامعہ کی سرگرمیاں

شب وروز

مولانا فضل الرحمن

☆......۱۵ رجب ۱۴۴۰ھ، ۲۳ مارچ ۲۰۱۹ء کو الحمدللہ جامعہ تراث الاسلام میں تمام اسباق اپنی تکمیل کو پہنچ گئے۔امسال اسباق کی تکمیل کی تاریخ ۱۵ رجب مقرر کی گئی تھی۔اس سال مدیر جامعہ کے پاس بخاری شریف جلد اول اور مشکوۃ شریف جلد اول کے اسباق تھے،انہوں نے اپنے دونوں سبق ۱۶ رجب ۱۴۴۰ھ کو مکمل کیے۔

☆......تخصص فی الافتاء میں مقالہ نویسی کا مرحلہ جاری ہے،جس میں شرکائے کرام اپنے متعین موضوعات پر اپنے اساتذہ کرام کی زیر نگرانی تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ مشہور و ماہر عربی دان،فاضل مدینہ یونی ورسٹی مولانا ابو طاہر صاحب دورِ حاضر کی ضرورت کے پیش نظر جدید عربی تخصص فی الافتاء کے طلبہ کو پڑھا رہے ہیں۔ مولانا ضیاء الرحمٰن (ایڈوکیٹ) تخصص فی الافتاء کے طلبہ کو درج ذیل تین موضوعات پر لیکچر دے رہے ہیں: (۱) اقوام متحدہ کا چارٹر اور بین الاقوامی معاہدات۔(۲) آئین پاکستان اور اس میں ہونے والی ترامیم۔(۳) پاکستان کا عدالتی نظام۔اس لیکچر کا مقصد درج بالا تین موضوعات پر تخصص کے طلبہ کرام کو ضروری معلومات فراہم کرنا ہے۔

☆...... ۴ اور ۵ مارچ ۲۰۱۹ء کو لاہور سے مشہور روحانی و جسمانی معالج حکیم محمود الحسن توحیدی کراچی تشریف لائے،مدیر جامعہ کے ہاں تین دن قیام رہا۔اس عرصہ میں حکیم صاحب نے مختلف مریضوں کا معائنہ بھی کیا اور تخصص فی الافتاء کے طلبہ کے سامنے غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کے اصول اور طریقہ کار پر تفصیلی بیان کیا۔حکیم توحیدی صاحب،انڈیا کے مشہور عالم مولانا کلیم صدیقی صاحب کے متعلقین میں سے ہیں اور غیر مسلموں میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مصروفِ عمل ہیں۔

☆......۸ مارچ ۲۰۱۹ء بروز منگل بعد نماز مغرب،ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب ایک روزہ دورہ پر کراچی تشریف لائے،اس موقع پر مدیر جامعہ نے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس سے ملاقات کی اور تصنیف و تحریر کے حوالے سے مشاورت کی۔جامعہ تراث الاسلام کے استاذ مولانا فضل الرحمٰن بھی اس موقع پر مدیر جامعہ کے ہمراہ تھے۔

☆......۱۷ مارچ ۲۰۱۹ء بروز اتوار مدیر جامعہ چند اساتذہ سمیت وفاق المدارس العربیہ پاکستان ضلع ایبٹ آباد کے مسئول مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے پاس (گولڈن ٹاؤن کراچی) ان کے بھائی کی وفات پر اظہارِ تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر ان کے بھائی جناب سردار ادریس (سابق وزیر بلدیات خیبر پختونخواہ) بھی موجود تھے۔

☆......۱۸ مارچ ۲۰۱۹ء بروز پیر جامعہ تراث الاسلام کے سابقہ ناظم تعلیمات مولانا نور الرحمٰن ہزاروی کے والد محترم کی تعزیت کے سلسلے میں مدیر جامعہ اور جامعہ کے دیگر اساتذہ ان کے گھر تشریف لے گئے اور مرحوم کے ایصال ثواب اور رفع درجات کے لیے دعائے مغفرت کی۔

☆...... ۱۳ رجب ۱۴۴۰ھ، ۲۲ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعہ، مشہور و معروف مناظر مولانا ندیم محمودی پشاور سے تشریف لائے اور مدیر جامعہ سے خصوصی ملاقات کی اور انہوں نے اپنی کتاب ''التحقیق الجلی'' مدیر جامعہ کی خدمت میں پیش کی۔ اس موقع پر مشہور بزرگ صندل باباجی کے پوتے مولانا عمر ولی اور جامعہ کے استاذ مولانا عبدالواحد بھی موجود تھے۔

☆...... ۲۴ مارچ ۲۰۱۹ء بروز اتوار بعد نماز عشاء۔ جامعہ کے شعبہ حفظ کے طالب علم کے حفظ قرآن کی تکمیل کے موقع پر ایک پُروقار تقریب منعقد کی گئی، جس میں مدیر جامعہ اور اساتذہ کرام نے شرکت کی، اس بابرکت محفل سے مدیر جامعہ نے فضائل قرآن کے موضوع پر مختصر اور جامع گفتگو فرمائی۔

☆......امسال جامعہ میں حفاظ، فضلائے دورہ حدیث و تخصص فی الافتاء کی تقریب دستار بندی کا پروگرام ۲۰ رجب ۱۴۴۰ھ، ۲۸ مارچ ۲۱۰۹ء کو منعقد کیا گیا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا احمد اقبال صاحب، مولانا محمد اورنگزیب فاروقی صاحب، مولانا فاروق خلیل صاحب اور دیگر اہل علم نے شرکت کی۔

☆......۲۲ رجب ۱۴۴۰ھ، ۳۰ مارچ ۲۰۱۹ء کو پاک قطر تکافل کی جانب سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا، جس میں تخصص کے طلبہ نے شرکت کی۔ تکافل اور شریعہ آڈٹ کے موضوع پر ماہرین نے لیکچر دیے اور حاضرین کے سامنے اس کی عملی مشق کروائی گی۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس... ساٹھ سالہ تاریخ
(اکابر علماء کی نظر میں)

اس کتاب سے ایک طرف جہاں دنیائے اسلام کے اس سب سے بڑے تعلیمی بورڈ کا تعارف سامنے آئے گا، وہیں "وفاق المدارس" کی پوری تاریخ یکجا ایک کتاب میں محفوظ ہو جائے گی۔ مولانا ابن الحسن عباسی سلمہ نے اس کام کی ذمہ داری لی اور مسلسل محنت کے بعد یہ عظیم دستاویز الحمدللہ تیار ہوگئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان (سابق صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

یہ کتاب وفاق المدارس کی جامع تاریخ بھی ہے اور اہل علم کے لئے تعلیم و تربیت کے اصول وضوابط کا ایک انمول تحفہ بھی!

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

الحمدللہ اس "دستاویز" میں بہت اہم مواد بزرگوں کی خدمات کا اور ان کی تحریروں کا جمع ہو گیا ہے، بلکہ برصغیر ہند و پاکستان میں دینی مدارس کی ایک تاریخ اس میں محفوظ ہوگئی ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی

نصاب اور نظام تعلیم و تربیت کے حوالہ سے اکابر علماء اور ماہرین تعلیم کی رہنما تحریروں کا ایک گلدستہ اس میں سجا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا محمد انوار الحق (نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

اس کتاب کے مطالعہ سے وفاق المدارس العربیہ کی تاریخ، اس کے نظریات اور اس کے رجال کار کا تعارف حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی

پاکستان میں وفاق المدارس کی ساٹھ سالہ جاوداں تاریخ اس میں الحمدللہ مرتب ہوگئی ہے۔

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

بڑی عرق ریزی کے ساتھ وفاق کی ساری تاریخ کو ٹٹول کر یہ تاریخ ساز مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہید (جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

بڑی محنت کے ساتھ شروع سے لے کر اب تک وفاق المدارس کی تاریخ مرتب کر دی ہے... جس میں اعتدال بھی ہے اور جامعیت بھی! مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عصری تعلیمی اداروں اور شعبوں کے لیے بھی ایک علمی رہنمائی اور تعارف فراہم کرے گی۔

حضرت مولانا فضل الرحمن (قائد جمعیت علماء اسلام پاکستان)

امید ہے کہ یہ تاریخ ساز دستاویز، نہ صرف دینی مدارس کے منتظمین اور متعلقین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی بلکہ اس سے عصری اداروں کے وہ صاحبان بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تعلیم و تربیت کے کسی نصاب یا نظام سے جڑے ہوئے ہیں۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل